اردو ماہنامہ

سائنس

نئی دہلی

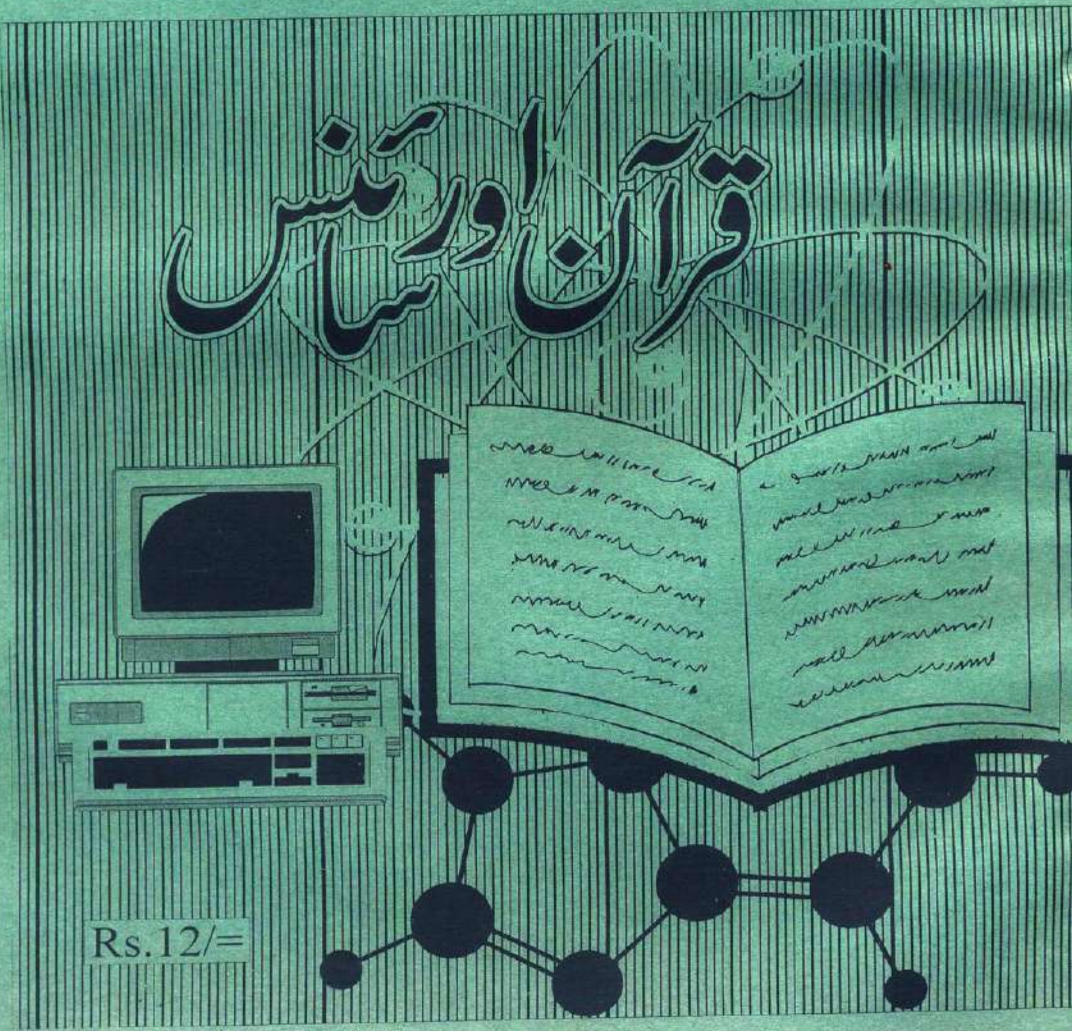
58

نومبر ۱۹۹۸ء

طلب العلم فريضة على كل مسلم ومسلمة • المجلة الشهرية العلمية •

العلم

ISSN-0971-5711



فہرست مطبوعات	سینٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسن	65 - 61، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جنک پوری، نئی دہلی - 0058

نمبر شمار	نام کتاب		زبان	قیمت
1.	اے ہینڈ بک آف کامن ریمیڈیز ان یونانی سسٹم آف میڈیسن انگریزی19/00 ، بنگالی19/00 ، عربی44/00، گجراتی44/00، اڑیہ34/00، کنڑ34/00، تمل8/00، تیلگو9/00، پنجابی16/00 ، ہندی6/00، اردو13/00			
2.	آئینہ سر گزشت -- ابن سینا	———	اردو	7/00
3.	رسالہ جودیہ -- ابن سینا (معالجات پر ایک مختصر مقالہ)	———	اردو	26/00
4.	عیون الانباء فی طبقات الاطباء -- ابن ابی اصیبعہ (جلد اول)	———	اردو	131/00
5.	عیون الانباء فی طبقات الاطباء -- ابن ابی اصیبعہ (جلد دوم)	———	اردو	143/00
6.	کتاب الکلیات -- ابن رشد	———	اردو	71/00
7.	کتاب الکلیات -- ابن رشد	———	عربی	107/00
8.	کتاب الجامع لمفردات الادویہ والاغذیہ -- ابن بیطار (جلد اول)	———	اردو	71/00
9.	کتاب الجامع لمفردات الادویہ والاغذیہ -- ابن بیطار (جلد دوم)	———	اردو	86/00
10.	کتاب العمدہ فی الجراحت -- ابن القف المسیحی (جلد اول)	———	اردو	57/00
11.	کتاب العمدہ فی الجراحت -- ابن القف المسیحی (جلد دوم)	———	اردو	93/00
12.	کتاب المنصوری -- زکریا رازی	———	اردو	69/00
13.	کتاب الابدال -- زکریا رازی (بدل ادویہ کے موضوع پر)	———	اردو	13/00
14.	کتاب التیسیر فی المداوات والتدابیر -- ابن زہر	———	اردو	50/00
15.	کنٹری بیوشن ٹو دی میڈیسنل پلانٹس آف علیگڑھ (یوپی)	———	انگریزی	11/00
16.	کنٹری بیوشن ٹو دی یونانی میڈیسنل پلانٹس فرام نارتھ آرکوٹ ڈسٹرکٹ تمل ناڈو	———	انگریزی	43/00
17.	میڈیسنل پلانٹس آف گوالیار فارسٹ ڈویژن	———	انگریزی	26/00
18.	فزیکو کیمیکل اسٹینڈرڈس آف یونانی فارموکیشنس (پارٹ -- I)	———	انگریزی	43/00
19.	فزیکو کیمیکل اسٹینڈرڈس آف یونانی فارموکیشنس (پارٹ -- II)	———	انگریزی	50/00
20.	فزیکو کیمیکل اسٹینڈرڈس آف یونانی فارموکیشنس (پارٹ -- III)	———	انگریزی	07/00
21.	اسٹینڈرڈائزیشن آف سنگل ڈرگس آف یونانی میڈیسن (پارٹ -- I)	———	انگریزی	86/00
22.	اسٹینڈرڈائزیشن آف سنگل ڈرگس آف یونانی میڈیسن (پارٹ -- II)	———	انگریزی	29/00
23.	کلینکل اسٹڈیز آف وجع المفاصل	———	انگریزی	4/00
24.	کلینکل اسٹڈیز آف ضیق النفس	———	انگریزی	5/50
25.	حکیم اجمل خاں - اے ورسٹائل جینیس (مجلد -- 71/00)	———	انگریزی	57/00
26.	کنسپٹ آف برتھ کنٹرول ان یونانی میڈیسن	———	انگریزی	31/00
27.	کیمسٹری آف میڈیسنل پلانٹس -- I	———	انگریزی	340/00
28.	امراض قلب	———	اردو	205/00
29.	امراض ریہ	———	اردو	50/00
30.	المعالجات البقراطیہ (پارٹ -- I)	———	اردو	360/00

ڈاک سے کتابیں منگوانے کے لئے اپنے آرڈر کے ساتھ کتابوں کی قیمت بذریعہ بینک ڈرافٹ، جو ڈائریکٹر سی، سی، آر، یو، ایم، نئی دہلی کے نام بنا ہو، پیشگی روانہ فرمائیں۔

100/00 سے کم کی کتابوں پر محصول ڈاک بذمہ خریدار ہوگا۔

کتابیں مندرجہ ذیل پتہ سے حاصل کی جاسکتی ہیں۔

سینٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسن، 65-61، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جنک پوری، نئی دہلی - 110058 فون: 5611982 ,72-614970

سائنس
اردو ماہنامہ
نئی دہلی
58

ہندوستان کا پہلا سائنسی اور معلوماتی ماہنامہ
انجمن فروغِ سائنس کے نظریات کا ترجمان

نومبر 1998

جلد 5 شمارہ 11

قیمت فی شمارہ 12 روپے
5 ریال (سعودی)
5 درہم (یو۔اے۔ای)
2 ڈالر (امریکی)
1 پاؤنڈ

سالانہ (سادہ ڈاک سے)
انفرادی 130 روپے
اداراتی 140 روپے
بذریعہ رجسٹری 280 روپے
برائے غیر ممالک (ہوائی ڈاک سے)
50 ریال / درہم
24 ڈالر (امریکی)
10 پاؤنڈ

اعانت تاعمر:
1500 روپے
500 درہم / ریال
240 ڈالر
100 پاؤنڈ

ایڈیٹر:
ڈاکٹر محمد اسلم پرویز

مجلس ادارت:
مشیر:
پروفیسر آل احمد سرور

ممبران:
ڈاکٹر شمس الاسلام فاروقی
عبداللہ ولی بخش قادری
ڈاکٹر عبید الرحمٰن
ڈاکٹر شعیب عبداللہ
مبارک کاپڑی (مہاراشٹر)
عبدالودود انصاری (مغربی بنگال)

سرورق: جاوید اشرف

اس دائرے میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کا زرسالانہ ختم ہوگیا ہے

فون: 692-4366
(رات 8 تا 10 بجے صرف)
FAX +91(11)-631-6485

ترسیلِ زر و خط و کتابت کا پتہ: 665/18 ذاکر نگر، نئی دہلی 110025
سرکولیشن آفس: 266/6 ذاکر نگر، نئی دہلی 110025

ترتیب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تاحدِّ نظر پھیلے سمندر کے بیچ میں تیرنے والے ایک جہاز میں جو حیثیت قطب نما کی ہوتی ہے، وہی حیثیت انسانی زندگی میں علم کی ہوتی ہے۔ جس جہاز میں قطب نما ہی نہ ہو، وہ تو سمندر کی لہروں میں ڈولتے اور سنبھلتے اپنی عمر تمام کر لے گا۔ تاہم ذرا تصوّر کریں ایسے جہاز کا کہ جس کے پاس قطب نما تو ہے لیکن اس کے سازشی دشمنوں نے قطب نما کا رُخ تبدیل کر دیا ہے۔ جہاز پوری توانائی اور عملے کی تندہی کے ساتھ، اپنے تصور میں منزل کی جانب گامزن ہے لیکن دشمن مسکرا رہا ہے کہ جب رُخ ہی صحیح نہیں تو بھلا منزل کیا ملے گی۔

علم کی صحیح راہ پانے کے لیے لازمی ہے کہ یہ سمجھا جائے کہ علم کیا ہے؟ قرآن حکیم کے مطابق علم وہ شئے ہے جسے آنکھ نے دیکھا ہو، کان نے اس کے صحیح ہونے کی گواہی ہو اور فوآد (قلب بہ معنی ذہن) نے اس کے دھوکہ نہ ہونے کی تصدیق کی ہو۔ سورۂ بنی اسرائیل کے چوتھے رکوع میں اللہ سبحانہ تعالیٰ فرماتا ہے "یہ وہ چیزیں ہیں، جو خدا نے تم پر بطور حکمت وحی کی ہیں۔" اس حکمت کی ایک وضاحت یوں فرمائی ہے:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۚ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ○ (بنی اسرائیل: 36) ترجمہ: "اور اس کے پیچھے نہ پڑ جس کا تجھے علم نہیں (کیونکہ) بیشک تیرے کان اور آنکھ اور ذہن (فوآد) سب سے اس شئے کے متعلق پوچھا جائے گا۔" اس آیت کریمہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جس چیز کی تصدیق یہ تین اعضاء انسانی کر دیں وہ علم ہے۔ ساتھ ہی قرآن منع فرماتا ہے کہ اس کے سوا کسی اور شئے کے پیچھے نہ پڑا جائے۔ اس حکمت کی رو سے کسی ایسی شئے کو جس کی تصدیق "صحیفۂ فطرت" نے نہ کی ہو، علم کا بلند درجہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ مافوق الفطرت سبھی باتیں گویا ظنّ ہیں اور قرآن حکیم ان کے پیچھے پڑنے کی اجازت نہیں دیتا۔ گویا کہ وہ تمام دریافتیں جو صحیفۂ فطرت کے عالموں نے کی ہیں، علم کے زمرے میں آتی ہیں۔ چاہے وہ علم ریاضی ہو یا علم طبعیات، علم کیمیا ہو یا علم حیاتیات، علم طبقات الارض ہو یا علم خلاء۔

علم کی یہی تشریح قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کو جوق در جوق علم فطرت کی طرف لے گئی۔ قرآن کریم نے صحیفۂ فطرت کے بے مثال طلسم کی طرف جب ان کی توجہ موڑی تو وہ "پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو گئے" نیز اللہ کے فرماں بردار بندوں میں شامل ہو گئے۔ ایسے بندے جو وہی کام انجام دے رہے تھے کہ جس کے واسطے انھیں پیدا کیا گیا تھا۔ وہ رب کی ربّانیت اور عظمت کے دل سے قائل ہو کر بندگی کے اتھاہ سمندر میں ڈوبتے چلے گئے۔ وہ فطرت کے کارخانے میں دریافتیں کرتے گئے، حمد و ثنا کرتے گئے ___ انھوں نے چند سالوں میں دنیا میں صحیح اور یقینی علم کی بنیادیں ڈال دیں ___ اُس وقت یورپ (جو کہ اس وقت علم کا گہوارہ ہے) انسان کے ہی ظلم کے باعث سیکڑوں قسم کی ظنیّات میں مبتلا اور حقیقی علم سے دور تھا۔ سولہویں صدی میں یورپ کے بعض عالموں نے (قرآن حکیم کے نزول کے ایک ہزار سال بعد نیز اہل عرب کی علمی ترقیوں سے متاثر ہو کر) قریبًا انہی الفاظ میں جو مذکورہ بالا آیت کے ہیں، اعلان کیا کہ وہی شئے صحیح ہے جس کی تصدیق آنکھ، کان اور ذہن کر دے۔ باقی سب غلط، وہم اور اندیشہ ہے۔ اس اعلان کے بعد سے ہی یورپ کی نشاۃ ثانیہ یعنی اُس عروج کی شروعات ہوئی جو آج اسے حاصل ہے۔ اس کے برخلاف اسی دوران مسلمانوں کی بے راہ روی، قرآن کی غلط بینی اور تن آسانی نے اس شرف کو مسلمانوں سے چھین لیا ___ آج پھر ضرورت ہے، اس بات کی کہ مسلمان قرآن حکیم کی تعلیمات کی روشنی میں اپنے لیے راہِ علم و عمل کا تعین کریں تاکہ بندگی کا بھرپور حق ادا ہو۔



ڈائجسٹ

قرآن کریم اور ٹیکنالوجی کا علم

محمد توقیر عالم نظمیؔ ، ویشالی - بہار

اگر قرآن پاک کا کھلے ذہن اور دماغ سے گہرا مطالعہ کیا جائے تو یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ قرآن کا نظریۂ علم بہت ہی انوکھا اور وسیع ہے۔ اس کی آیتوں پر غور و فکر کرنے سے مختلف علوم وجود میں آتے ہیں۔ جیسے قرآن مجید میں اللہ رب العزّت کا ارشاد ہے: "تم دیکھو آسمان اور زمین میں کیا کیا ہے۔" (سورہ یونس : 101)

جس انسان میں تحقیقی صلاحیت ہوتی ہے وہ آسمانی کائنات کا مشاہدہ کرتا ہے، سورج کے طلوع اور غروب ہونے کا مطالعہ کرتا ہے، وہ دن و رات کے بننے کی وجوہات معلوم کرتا ہے، چاند تاروں کی ماہیئت پر غور کرتا ہے، سورج یا زمین کے متحرک ہونے کا خیال اس کے دل میں آتا ہے۔ اس طرح اس کا مشاہدہ بڑھتے بڑھتے علم فلکیات کہلاتا ہے اسی طرح جب وہ زمین کی چیزوں کا مطالعہ کرتا ہے تو اس کا یہ مطالعہ علم حیوانات، نباتات، معدنیات، طبقات الارض، موسمیات اور جغرافیہ وغیرہ کی ایجاد کا سبب بنتا ہے۔ پھر جب ان علوم پر مزید تحقیقات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے تو سائنس ٹیکنالوجی اور الیکٹرانکس کا وجود ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ایسی بیشمار آیات ہیں۔

علامہ محمد لطفی جمعہؒ نے اپنی کتاب "تاریخ فلسفۂ اسلام" کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ " قرآن تقریباً تین سو علوم کا منبع ہے اور ان میں سے اکثر علوم کا راست ماخذ خود قرآن ہے اور دوسرے علوم قرآن کی خدمت کے لیے مدوّن کیے گئے ہیں۔"

الجواہر فی تفسیر القرآن کے مصنّف، شیخ طنطاویؒ نے اپنی تفسیر کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ " قرآن میں آیات العلوم کی تعداد سات سو پچاس ہے جس میں فلکیات، ریاضی، ہندسہ، طب، معدنیات، زراعت اور دوسرے علوم طبعی ہیں۔ قرآن جامع العلوم ہے۔ علمی تاریخ بھی اس بات کی شاہد ہے کہ تمام دنیوی علوم کا منبع صرف قرآن ہے۔" اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ . . . . . .
(العنکبوت : 20)

ان سے کہو کہ زمین پر چلیں اور پھریں اور دیکھیں کہ اللہ نے کس طرح مخلوق کو پیدا کیا۔ یعنی کس طرح عالم کی ابتدا کی۔
(ترجمہ مولانا مودودیؒ)

اور حضرت تھانویؒ کے ترجمہ کے مطابق "کہ آپ ان لوگوں سے کہئے کہ تم لوگ ملک میں چلو پھرو اور دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو کس طور پر اوّل بار پیدا کیا ہے۔"

پھر دوسری جگہ فرمایا:

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
(سورہ یونس: 101)

آپ کہہ دیجئے کہ وہ دیکھیں کیا کیا چیزیں ہیں آسمان اور زمین کے بیچ۔

تیسری جگہ قرآن کے یہ الفاظ ہیں:

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا
(سورہ الانبیاء : 30)

کیا ان منکرین نے نہیں دیکھا کہ یہ سب آسمان اور زمین باہم ملے ہوئے تھے، ہم نے ان کو جدا کیا۔ (ترجمہ مولانا مودودیؒ)

مندرجہ بالا دونوں آیتوں میں اللہ رب العزّت نے



بندے کو متوجہ کیا ہے کہ تحقیق کریں کہ کائنات اور اس کے مشتملات یعنی سورج، زمین، چاند اور تارے کی تخلیق کیسے ہوئی؟ انسان، حیوان اور حشرات الارض کیسے پیدا ہوئے؟ نباتات اور جمادات کی پیدائش کس طرح ہوئی؟

آپ کو یہ سُن کر تعجب ہوگا کہ بیسویں صدی سے قبل یہ نہیں معلوم تھا کہ آسمان و زمین یعنی تمام کائنات باہم ملی ہوئی تھی۔ جو بعد میں جدا ہوئی۔ 1920ء کے بعد جب بڑی بڑی دوربینیں بننے لگیں تو تحقیقات نے یہ ثابت کر دیا کہ یہ تمام کائنات ابتدا میں ایک تھی جس نے بعد میں الگ ہو کر زمین اور تاروں کی شکل اختیار کر لی اور پھر سورج سے بعض حصے جدا ہو کر زمین اور دوسرے سیّارے بنے۔ گویا اس تیسری آیت کی حقیقت دوربینوں کی ایجاد کے بعد ظاہر ہوئی۔ ورنہ بغیر تحقیق کے یہ آیت ایک ایسا جملہ بن کر رہ گئی تھی جس سے نہ کوئی متاثر ہوتا تھا اور نہ ہی اس کا مفہوم ذہن میں آسکتا تھا۔ اسی طرح سورہ بقرہ کی یہ آیت دیکھئے:

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِن مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِن كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝ (البقرہ 164)

بلاشبہ آسمانوں اور زمین کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے میں اور جہازوں میں جو کہ سمندر میں چلتے ہیں، آدمیوں کے نفع کی چیزیں (اور اسباب لے کر اور بارش کے) پانی میں جس کو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے برسایا پھر اس سے زمین کو تر و تازہ کیا اس کے خشک ہوئے پیچھے اور ہر قسم کے حیوانات اس میں پھیلا دیئے اور ہواؤں کے بدلنے میں اور ابر میں جو زمین و آسمان کے درمیان مقید اور معلق رہتا ہے، دلائل ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سلیم رکھتے ہیں۔

اہل یورپ نے ان تمام نکات پر جو اس آیت میں بتائی گئی ہیں، تحقیقات کر کے علمی مہارت حاصل کر لی اور سائنس و ٹیکنالوجی پر حاوی ہو گئے۔

تخلیق کائنات کے سلسلے میں سب سے پہلے اس مادے سے سابقہ پڑتا ہے جس کے وزن اور مقدار کا حساب کرنا انسان کے بس سے باہر ہے اور اگر اس کی تخلیق کے بارے میں غور کریں تو کئی نظریات بنتے ہیں جن سے طبیعات کے وسیع علم کی بنیاد پڑتی ہے۔ اس طرح اجرام فلکی اور کہکشاں کی حیرت انگیز تخلیق کا پتہ چلتا ہے جن کی مسافت و جسامت کے بارے میں جاننے کے لیے دوربینیں ایجاد ہوئیں۔

اس آیت میں جہازوں کا ذکر ہے جو سمندر میں فائدے کی چیزیں لے کر چلتے ہیں۔ ہم کو معلوم ہے کہ جہازوں کے بنانے میں اتنی مہارت کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ اپنے وزن اور سامان کو لے کر ڈوب نہ جائیں۔ یہ مہارت صرف اسی صورت میں پیدا ہوتی ہے جب ہم پانی کے اوپر اچھالنے کی قوت اور جہاز کے وزن کا علم رکھیں۔ نزولِ قرآن کے وقت معمولی کشتیاں چلتی تھیں، اب جہاز ہزاروں ٹن وزنی سامان لے کر سمندروں کے سینے پر دندناتے چلے جاتے ہیں۔ یہ سب علم طبیعات اور ٹیکنالوجی کی بدولت ہو رہا ہے۔ پھر قرآن کی یہ آیت دیکھئے سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ یعنی تم زمین پر چلو پھرو اور دیکھو کہ اللہ نے خلق کو کیسے پیدا کیا؟ یہاں پر چلنے پھرنے کے ذرائع نہیں بتائے گئے مگر آفرینش کی تخلیق کی تحقیق کا ایک ایسا جذبہ اُبھارا گیا ہے کہ ہم تحقیقات کے لیے مختلف مقامات پر پھریں اور زیادہ سے زیادہ تخلیقی معلومات حاصل کریں اس سلسلے میں اگر ہم چل پھر کر دور دراز کے ممالک کی سیر و سیاحت کرنا چاہتے ہیں تو اونٹ اور گھوڑوں کے بجائے ریل، موٹر، سمندری و ہوائی جہاز کے بنانے کی فکر ہوتی ہے اور ان ساری ایجادات کا سہرا ہمارے سر ہوتا ہے تیز رفتار



سواریوں کی ایجاد سوائے ٹیکنالوجی کے ممکن نہیں ۔ اس میں شک نہیں کہ قرآن بادی النظر میں سائنس وٹیکنالوجی کی کوئی کتاب نہیں، مگر اس میں سائنس وٹیکنالوجی کا علم بھرا پڑا ہے۔

مثال کے طور پر قرآن میں ہے "تم دیکھو زمین وآسمان میں کیا ہے"۔ یہاں دیکھنے کی نہ کوئی تعریف کی گئی ہے نہ کوئی ذریعہ بتایا گیا ہے۔ اگر آسمان وزمین کی چیزوں کو دیکھنے اور اللہ کی عظمتوں سے واقف ہونے کا شوق ہم میں ہوتا تو ہم مختلف ذرائع ایجاد کرتے جن میں دوربین، دوسرے آلات اور زمین کی چیزوں کو دیکھنے کے لیے مختلف سائنٹیفک طریقے ہوتے کیونکہ برہنہ آنکھ سے ہم سورج کو صرف ایک گرم اور منوّر شے سمجھتے ہیں اور چاند کو ایک سرد چمکتی ہوئی چیز، آسمان پر چھوٹے چھوٹے تارے نظر آتے ہیں ہم اسے نیلے پتھر یا سنگ مرمر کا بنا ہوا سمجھتے ہیں۔ چنانچہ اللہ رب العزت کی عظمتوں سے واقف ہونے اور اس کی حیرت انگیز کارسازی کا صحیح علم حاصل کرنے کے لیے ہم کو ٹیکنالوجی ایجاد کرنا پڑی۔ قرآن کریم میں ہے:

... وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ ....
(الحدید: 25)

اور ہم نے لوہے کو پیدا کیا جس میں شدید ہیبت ہے اور لوگوں کے لیے طرح طرح کے فائدے ہیں
(ترجمہ مولانا مودودیؒ)

یہ آیت لوہے کے استعمال کی طرف اشارہ کرتی ہے اس سے ہیبت یعنی تباہی کی چیزیں بن سکتی ہیں اور فائدے کی بھی۔ چنانچہ اس کا ماہرانہ استعمال ٹیکنالوجی کو فروغ دیتا ہے۔ مگر افسوس کی بات ہے کہ نہ ہم نے لوہے کی ہیبت دیکھی نہ فائدے۔ اس کے برعکس اقوام عالم نے لوہے کو قومی، سیاسی اور معاشی استحکام کا ذریعہ بنالیا ہے اور آج انھوں نے لوہے کی بدولت جو ترقی کی ہے اس کو ہم دیکھ رہے ہیں مگر ہم نے قرآن کے اشارے کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔

قرآن تحقیق پر زیادہ زور دیتا ہے اور تحقیق نہ کرنے والوں پر اظہار ناراضگی کرتا ہے۔ ارشاد ربّانی ہے:

وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ۙ يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ○
(الجاثیہ 8-7)

بڑی خرابی ہوگی ہر ایسے شخص کے لیے جو جھوٹا ہو، نافرمان ہو۔ جو اللہ کی آیتوں کو سنتا ہے جبکہ اس کے روبرو پڑھی جاتی ہیں پھر بھی وہ تکبّر کرتا ہوا اپنے کفر پر اس طرح اڑا رہتا ہے جیسے اس نے ان کو سنا ہی نہیں، ایسے شخص کو ایک دردناک عذاب کی خبر سنادیجئے۔

دوسری آیت میں ہے:

اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۙ وَّاَنْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ... (الاعراف 185)

کیا یہ لوگ آسمان اور زمین کی تخلیق پر غور نہیں کرتے اور دوسری چیزوں میں جن کو اللہ نے پیدا کیا ہے۔ ممکن ہے کہ ان کی موت قریب آگئی ہو۔

یہاں موت سے مراد صرف طبعی موت ہی نہیں بلکہ سیاسی، معاشی، اخلاقی، سماجی اور قومی موت بھی شامل ہے۔ لہٰذا ہر وہ شخص جو مناظر کائنات کو دیکھ کر ان کی تخلیق کے بارے میں غور وفکر نہیں کرتا۔ ایسی ہی موت کا شکار ہوتا ہے، خواہ وہ کوئی ہو۔ شاید ہماری قومی، سیاسی، معاشی پستی کا سبب بھی یہی ہے۔

اسی طرح قرآن میں مختلف جگہ آیا ہے کہ اللہ رب العزت نے آسمان اور زمین کی ہر چیز کو ہمارے لیے مسخر کردیا ہے۔ مسخر کے لغوی معنی ہیں، "تابع کیا ہوا"۔ ہماری عدم تحقیق کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم دھوپ میں کپڑا سکھاتے رہے اور دیگر اقوام تحقیق کرکے سورج کی توانائی سے مختلف اقسام کے



فائدے اٹھانے لگیں اور جلد ہی وہ اس قابل ہو جائیں گی کہ دھوپ سے چلنے والی موٹر گاڑیاں، مشینیں اور کئی گھریلو سامان ایجاد کر دیں۔ اسی طرح خلاء سے جو فائدے اٹھا رہی ہیں، ہم ان سے اچھی طرح واقف ہیں۔

مختصر کلام یہ کہ قرآن علم کو ایک اعلیٰ درجہ دے کر اس کے حصول کی دعوت دیتا ہے اور غور وفکر اور تدبر کا جذبہ ابھار کر تحقیقات کے دروازے کھولتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ تمام دنیوی علوم حتیٰ کہ سائنس و ٹیکنالوجی قرآنی آیات پر غور وفکر سے ہی پیدا ہوتے ہیں اور ہو رہے ہیں۔ اس لیے یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ قرآن صرف دوسری مذہبی کتابوں کی طرح ایک کتاب ہے۔ اور وہ صرف مذہب اور اخلاق کی تعلیم دیتا ہے۔

درخواست

تمام مصنفین اور ادارے نے حتی الامکان اس بات کا خیال رکھا ہے کہ مضامین کے متن میں کوئی غلطی نہ ہو۔ قرآن مجید کی آیات اور ان کے تراجم پر بھی نظر رکھی گئی ہے۔ تاہم قارئین سے درخواست ہے کہ اگر کہیں سہو ہوا ہو تو ادارے کو مطلع کریں۔ اللہ تعالیٰ ہماری کوتاہیوں کو معاف فرمائے اور صراط مستقیم کی جانب رہبری فرمائے۔ آمین —— (مدیر)



جوہری توانائی اور ایٹم بم

عبدالغفار قریشی آلِ صفی
الیکٹرونک انجینئر - لندن

محترم عبدالغفار قریشی آلِ صفی اس وقت دل کے عارضے میں مبتلا ہیں اور لندن کے ایک اسپتال میں زیرِ علاج ہیں۔ ادارہ ان کی صحت کے لیے دعاگو ہے۔ قارئین سے بھی درخواست ہے کہ موصوف کی صحت کے لیے دعا کریں۔ اللہ تعالیٰ ایسے حقیقی عالموں کا سایہ ہمارے سر پر قائم رکھے — (آمین)

جوہری توانائی (NUCLEAR ENERGY)

جن ذرّات کی بنیاد پر ایک بے پناہ اور لامحدود قوت کی صورت میں منکشف ہوئی اور پھر اس کے بطن سے ایک انتہائی ہولناک اور حشر برپا "ایٹم بم" کا وجود ہوا۔ آیئے ہم پہلے ان پوشیدہ قدرتی ذرّات کو اشارتاً قرآن حکیم میں دو جگہ مثال کے طور پر دیکھتے ہیں۔ پہلی سورۃ یونس آیت 10 میں ہے کہ " اور تمہارے پروردگار سے 'ذرّہ بھر' بھی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے، نہ زمین اور (نہ) آسمان میں اور نہ ہی کوئی اس (ذرّہ) سے چھوٹی یا بڑی مگر کتاب روشن میں (لکھی) ہوئی ہے۔" دوسری جگہ سورۃ سبا، آیت 3 میں تقریباً ہو بہو یہی آیت ہے۔ ان آیات میں 'ذرّہ بھر' یا 'ذرّہ برابر' بطور تمثیلاً وضاحت کی گئی ہے۔ ذرّہ کی یہ مثال خالق کائنات ارض و سما کی طرف سے کوئی قیاسانہ اور تخیلانہ نہیں بلکہ حقیقتاً ذرّہ کا وجود پہلے ہو چکا ہے اسی نیت اور حوالہ سے مقصد بیان ہے۔ ایک جگہ جگہ قرآن حکیم میں سورۃ 29 میں یہ بھی واضح ہے کہ " اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے (سمجھانے) کے لیے بیان کرتے ہیں اور اسے تو اہل دانش ہی سمجھتے ہیں۔"

علاوہ ازیں ان متذکرہ بالا آیات ربّانی میں مزید ایک قابلِ غور بات معلوم ہو رہی ہے کہ "ذرّہ" کو صیغۂ واحد یعنی " ذرّہ بھر" اور " ذرّہ برابر" کو ایک کی مقدار میں کہا گیا ہے اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ کُل مخلوقاتِ عالم میں ہر منفرد شے کی تخلیق و ارتقا کا آغاز پہلے پہل ایک واحد ذرّہ سے ہوا ہے۔ حتیٰ کہ بذاتِ خود انسان کی پیدائش "رحم مادر" میں سب سے پہلے ایک تولیدی ذرّہ (SPERM) سے ہوئی ہے۔ یہ مصدقہ وضاحت خالق مطلق کی یکتائی اور وحدانیت کا علی الاعلان ثبوت اور وحدت الوجود کی ایک واضح اور کھلی دلیل ہے۔ یہاں لندن کے ایک معروف شاعر فطرت اطہر راز نے حسبِ حال کیا خوب کہا ہے۔

تمام شورش کثرت میں ایک وحدت ہے
یہ کائنات کی سب سے بڑی صداقت ہے

آیئے اب ہم تاریخی اعتبار سے اس ذرّہ قدرت پر مختصراً نظر ڈالتے ہیں۔ سب سے پہلے یہ وضاحت کرنا ضروری ہے کہ قرآنی لفظ ذرّہ کو عربی، انگلش لغات میں ایٹم (ATOM) سے منسوب کیا گیا ہے۔ ویسے یہ لفظ ایٹم یونانی زبان سے تعلق رکھتا ہے۔ محمد پکتھال و دیگر انگریزی مترجمین نے قرآنی آیات میں ذرّہ کو انگریزی میں ایٹم (ATOM) سے تعبیر کیا ہے۔

موجودہ عہد اور وقت رواں کے سائنسدانوں کا



یہ ذرّہ (ATOM) کوئی نیا انکشاف نہیں ہے۔ سب سے پہلے تو قرآن حکیم میں ہی ان ذرّات کا ذکر ہو چکا ہے۔ پھر دنیا کی تاریخ کی حیثیت سے ہزاروں سال پہلے یونانی مفکروں اور فلاسفروں کے بحث و مباحثے کا ایک خاص موضوع رہ چکا ہے۔ ان میں تقریباً ڈھائی ہزار سال قبل مسیح ایک یونانی مفکر DEMOCRITUE نے اس ایٹم پر سب سے پہلے اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا، اس نے کہا تھا کہ اگر کسی مادّے (MATTER) کو چھوٹے سے چھوٹے اجزاء میں تقسیم کرو یہاں تک کہ اس کو بے انتہا باریک ترین ذرّات میں تبدیل کرتے جاؤ تو ایک ایسا ذرّہ آئے گا جو مادّے کا آخری جزو ہوگا اور وہ "ناقابلِ تقسیم" ہوگا۔ اس نے اس کا نام ایٹم رکھا۔ بعد میں اس کی یہ فکری دریافت بصورت "نظریۂ ذرّی" (ATOMIC THEORY) وجود میں آئی۔

کئی صدیوں تک مشہور فلسفیوں، نکتہ وروں اور متلاشئ رازِ قدرت کے شیدائیوں کے درمیان اس ذرّہ پر تخلیقی اور خدائی قدرت کے پہلو سے بحث و مباحثے ہوتے رہے۔ ان سب کے اپنے اپنے علمی اور فکری نظریات صرف تاریخی اوراق تک محدود رہے۔ زمانہ آگے بڑھتا رہا یہاں تک کہ عہدِ وسطیٰ میں یہ "تاریخی ایٹم" دنیائے اسلام کے نامور اور ممتاز اہلِ علم و حکمت کی متجسس نگاہوں کی گرفت میں آگیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ اس وقت سارے مغرب میں علم و حکمت کا پوری طرح فقدان تھا اور مغربی مورخین اس دور کو اس اعتبار سے "تاریک عہد" (DARK AGE) کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ زمانہ تقریباً پانچ سو برس تک قائم رہا ہے۔ عین اسی رواں عہد میں اہلِ اسلام نہ صرف جہاد و فتوحات، سپہ گری، ملک گیری اور سیاست دانی میں درجۂ کمال رکھتے تھے بلکہ علمی و سائنسی علوم میں بھی وہ بامِ عروج پر تھے۔ ان میں سے اکثر علم کیمیاگری اور کیمیادانی (ALCHEMY) کے ماہروں نے اس ایٹم پر بھرپور توجہ کی اور کیمیاوی و طبعیاتی دونوں پہلو سے پے درپے تجزیات اور عملی تجربات کیے۔ ان کوششوں کے سلسلہ میں نامور مفکروں، سائنسدانوں اور ماہرین میں رازی، بوعلی سینا، البیرونی، الکندی، الفارابی قابلِ ذکر ہیں۔ خصوصاً ان میں ابوبکر رازی کے نظریۂ ذرّی (ATOMIC THEORY) میں یہ شامل تحقیق تھا کہ "تمام اجسام مادّی ایٹموں (ATOMS) پر مشتمل ہیں اور یہ فضا اور خلاء میں گردش کرتے ہیں"۔ مغرب کے مورخین سائنس و فن سے متعلق تاریخی واقعات میں ان نامور مسلمان محققین کے استادانہ اور ماہرانہ کارناموں اور ان کے نظریات اور کلّیات کا اپنی درسی کتابوں میں بطورِ حوالہ ذکر کرتے ہیں۔

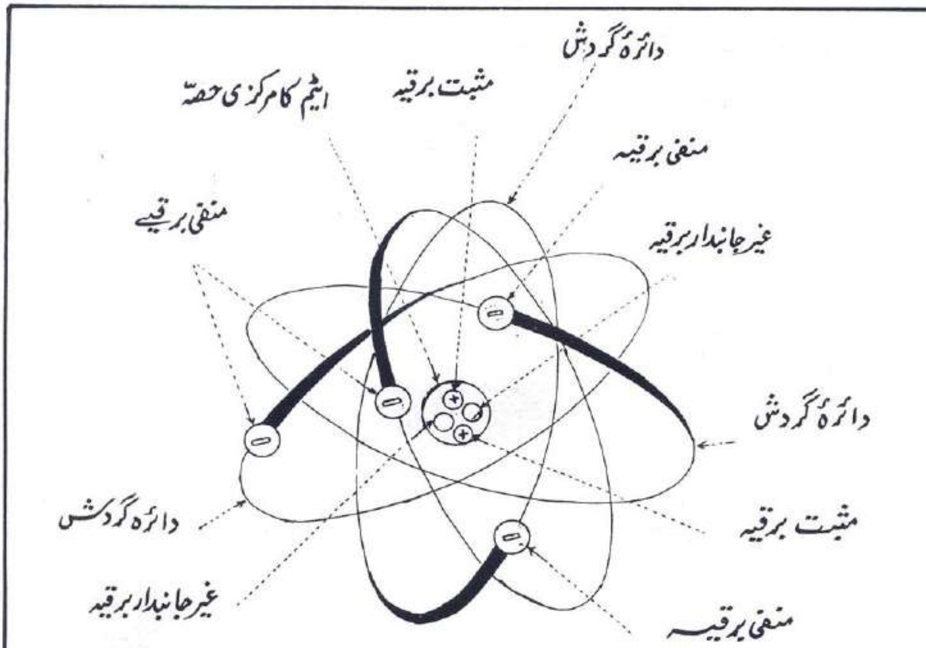
اٹھارھویں صدی عیسوی میں مغرب میں سائنسی علوم و فنون کا ایک نیا سورج طلوع ہوتے ہی مختلف ملکوں کے دانش مندوں اور سائنسدانوں نے یونانی فلاسفر کے ایٹم کے نظریات، اور مسلمان کیمیادانوں کے ترتیب دیئے ہوئے سائنسی قاعدوں اور اصولوں کا گہری توجہ سے مطالعہ کیا۔ ان میں ایک انگریز کیمیاگر ڈالٹن (DALTON) کا نظریۂ ذرّی (ATOMIC THEORY) قابلِ تسلیم سمجھا گیا۔ اس نے کہا کہ "ہر مادّہ (MATTER) خواہ وہ ٹھوس حالت میں ہو یا سیّال، بھاپ کی صورت میں ہو یا گیس کی شکل میں، مادّے کے سب سے چھوٹے سے چھوٹے ذرّے سے بنا ہے اور یہ ایٹم (ATOM) ہے"۔ اس کے اس نظریئے کے تحت مادّے کے ہر عنصر (ELEMENT) کے اپنے خاص ایٹم ہوتے ہیں جو دوسرے عنصر سے اپنی خاصیت، وزن، مقدار اور قوّت میں مختلف ہوتے ہیں۔ کئی ایٹم کا مجموعہ مالیکیول (MOLECULE) کہلاتا ہے۔ ڈالٹن کے نظریۂ ذرّی کے مطابق بہت سی معدنیات اور کیمیاوی اجزاء کے سالمی وزن (ATOMIC WEIGHT) اور



سالمی تعداد (ATOMIC NUMBER) معلوم کیے گئے۔
ان اجزائے ترکیبی سے کسی بھی مادّے کی خاصیت اور اس کی قوت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ مثلاً مادّے کا سب سے ہلکا عنصر ہائیڈروجن ہے جس کا ایک ذرّہ مثبت (PROTON) اور دوسرا ذرّہ منفی (ELECTRON) ہے۔ قدرتی مادّے کا سب سے بھاری عنصر یورینیم (URANIUM) ہے جس میں 92 منفی ذرّات ہیں، ان دونوں میں سب سے ہلکے اور سب سے

92 منفی ذرّات ہیں اور یہ عنصر جوہری توانائی (NUCLE-AR ENERGY) میں استعمال ہوتا ہے۔ اور یہی "ایٹم بم" کی روح ہے۔

اب آپ خاکہ نمبر 1 کو ملاحظہ فرمائیے یہ ایک واحد ایٹم کی اندرونی اور بیرونی کیفیت کا منظر ہے۔ ایٹم کا بالکل مرکزی حصہ نیوکلیس ہے۔ اس کے اندر



خاکہ نمبر 1 : ایک ایٹم کی اندرونی کیفیت کا نقشہ

بھاری عناصر کے درمیان جتنے بھی عنصر ہیں۔ اسی طرح تعداد سالمہ رکھتے ہیں۔ مثلاً کاربن میں 6، آکسیجن میں 8، لوہے میں 26، چاندی میں 47، سونے میں 79 یہاں تک کہ یہ سالمی تعداد بڑھتے بڑھتے آخری سب سے بھاری عنصر (آخری تحقیق کے مطابق) یورینیم تک پہنچتی ہے جس میں

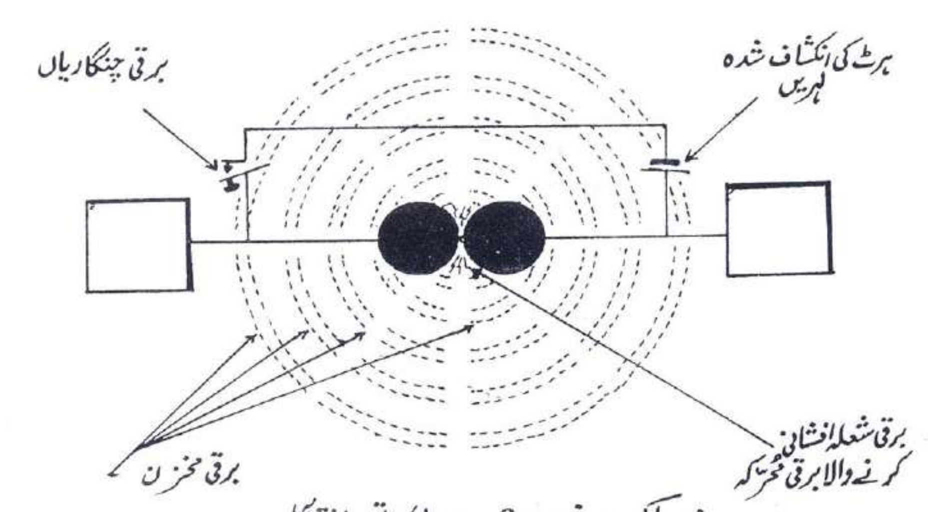
دو ذرّات ہیں، ایک ذرّہ پروٹون (PROTON) جو مثبت خاصیت رکھتا ہے، دوسرا ذرّہ نیوٹرون (NEUTRON) ہے۔ جس کا ذکر جوہری توانائی کے سلسلہ میں آئے گا۔ تیسرا ذرّہ الیکٹرون (ELECTRON) ہے۔ جو منفی خاصیت رکھتا ہے اور پروٹون ذرّہ کے گرد ہمیشہ اور ہمہ وقت اپنے



مدار (ORBIT) میں چکر یا گردش لگایا کرتا ہے۔ ہم نے خاکہ نمبر 3 "B" کی جانب ان دو مختلف مثبت (+) اور منفی (–) خاصیت والے پروٹون اور الیکٹرون کو دکھلایا ہے، یہ ذرّات قطعاً اپنی جُداگانہ خاصیت کی وجہ سے ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ قرآن حکیم میں سورہ 36 آیت 35 میں ہے کہ "وہ خدا پاک ہے جس کی زمین کی نباتات کے اور خود ان کے (انسان) اور جن چیزوں کی ان کو خبر نہیں، سب کے جوڑے بنائے۔" ایک دوسری جگہ

اسی لمحہ جل کر خاک ہو جائیں گے۔ اگر ان دونوں کے درمیان اسی حالت میں کوئی شے حائل ہو تو وہ بھی جل کر خاکستر ہو جائے گی۔ لیکن حضرت انسان نے اپنی سائنسی اور فنی حکمتِ عملی سے ان دونوں مشترکہ ذرّات کی قوّت کو اس خوبی اور صفت سے تاروں میں سرایت اور متحرک رکھتے ہوئے اس کی روانی کو ایک انتہائی فائدہ بخش صورت یعنی 'برقی قوت' (ELECTRICITY) میں تبدیل کیا ہے۔ جس کے ذریعے نہ صرف عام گھروں میں برقی روشنی بلکہ لاکھوں مختلف برقی مشینوں اور آلات سے دن رات کام

ریڈیائی لہریں



خاکہ نمبر 2 : ہرٹ کا تجرباتی آلہ

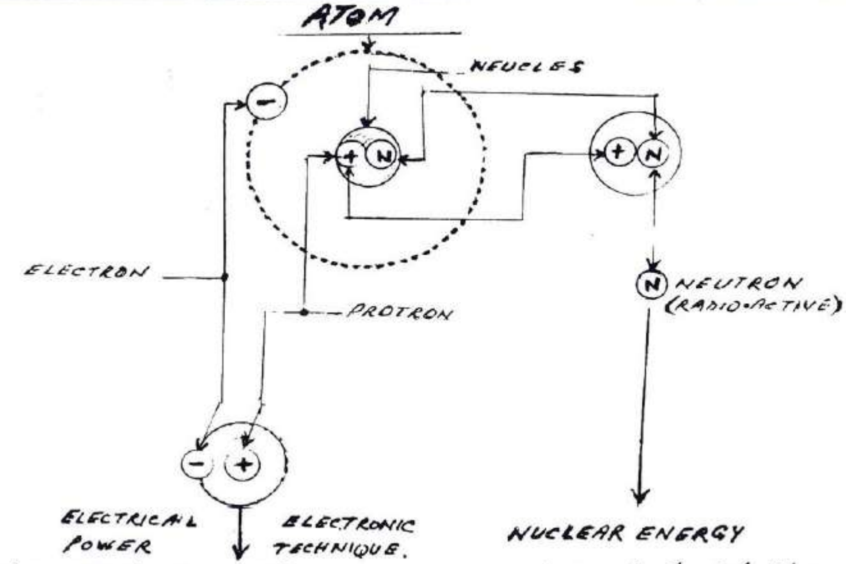
سورۃ 51 آیت 49 میں ہے کہ "اور ہر چیز کی ہم نے دو قسمیں بنائیں (نر و مادہ) تاکہ تم نصیحت پکڑو۔"

اب اگر یہ دو مختلف قسموں کے ذرّات براہِ راست آپس میں اچانک مل جائیں تو اس فوری تصادم سے ایک زور کی آواز کے ساتھ شعلہ پیدا ہوگا۔ اور یہ دونوں ذرّات

لیا جاتا ہے۔

برقی قوت کی روانی (ELECTRICITY) میں منفی ذرّات (ELECTRON) کا عمل خاص ہے لیکن ان کی رفتار روانی تاروں کے اندر تک محدود ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد ہی حضرت انسان نے ان منفی ذرّات کو تاروں

سے جُدا کرنے کی کوشش کی تو یہ ایک دم آزاد ہو کر بڑی سرعت
کے ساتھ کھُلی فضا اور خلاء تک لہری ارتعاش (RADIATION)
کی شکل میں پھیلتے چلے گئے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلا عملی
تجربہ ایک جرمن نژاد ہرٹ (HERTZ) نے اپنے ایک خاص
آلہ کے ذریعے کیا جو بہت کامیاب رہا۔ خاکہ نمبر 2
ملاحظہ فرمایئے۔ برقی ارتعاش کے انکشاف کے بعد مزید
تجربات کے نتیجے میں ایک مکمل ریڈیائی لہروں کی صورت
وجود میں آگئی۔ بعد میں اٹلی کے ایک نوجوان مارکونی
(MARCONI) نے ان ریڈیائی لہروں (RADIO - WAVES) کی مدد سے سب سے پہلے بغیر تار برقی
(WIRELESS) کی صورت میں ترسیل اور خبر رسانی کے کام
کا اہتمام و انتظام کیا۔ بعد میں انہی ریڈیائی لہروں کے
ذریعے دنیا کی تمام ریاستوں میں باضابطہ نشرواشاعت



ایٹمی قوت کا کارآمد استعمال

(1) بڑے بڑے برقی جنریٹر (2) آب رسانی کے لیے بھاری مشینیں (3) بڑے بڑے مال بردار بحری جہاز (4) آبدوز کشتیاں (5) برقی ریلوے ٹرین اور مال گاڑیاں (6) بھاری صنعتی مشینیں (7) ایکسرے اور برقیاتی علاج معالجہ کے آلات (8) ہوائی جہاز (9) بھاری مال برداری کے ٹرک (10) دفاعی راکٹ و میزائل (11) اور خلائی جہاز وغیرہ وغیرہ۔

"A"

برقی قوت اور کارآمد ترقیاتی فن

(1) برقی اور برقیاتی گھریلو لوازمات و ضروریات (2) ریڈیو ٹی وی (3) وائرلیس (4) راڈار (5) کمپیوٹر (6) برقیاتی مواصلات (7) ہوائی جہاز (8) بحری جہاز (9) سیٹلائٹ (10) آبدوز کشتیاں (11) برقیاتی علاج و معالجہ کے آلات و مشینیں (12) فرنیچر اور ایئر کنڈیشنر، صنعتی کارخانوں میں بڑی بڑی برقی موٹریں۔ فیکس، ٹیلی فونی مواصلات وغیرہ وغیرہ۔

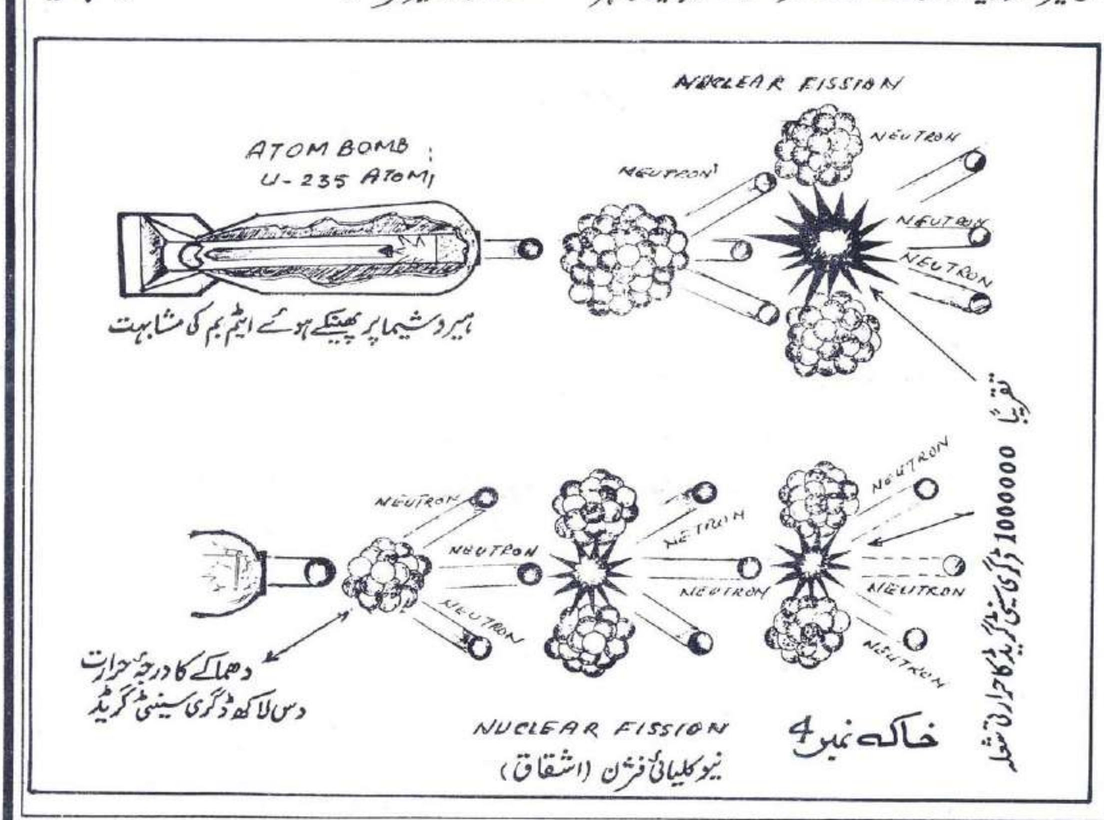
"B"

خاکہ نمبر 3



کاسلسلہ رائج ہوتا گیا۔ سائنسی اور فنّی علوم میں اس "خاص کارِعمل" کو برقیات (ELECTRONICS) کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ فنِ برقیات کے ذریعہ اس وقت لاکھوں مختلف برقیاتی مشینیں اور آلات ساری دنیا میں پھیل چکے ہیں۔

اب ہم آپ کی توجہ خاکہ نمبر 3 "A" کی جانب دلاتے ہیں۔ اس خاکے میں ایٹم کے مرکزی حصے یعنی نیوکلیس (NUCLEUS) میں دو ذرّات دکھائے گئے ہیں۔ ایک پروٹون اور دوسرا نیوٹرون یہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ یورینیم ایٹم میں سب سے زیادہ سالمی تعداد ہوتی ہے۔ یعنی 92 پروٹون اور 146 نیوٹرون۔ یہ سمجھئے کہ ان کثیر تعداد نیوٹرون کے عمل اور ردِّعمل کے نتیجہ میں جوہری توانائی پوشیدہ ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ یورینیم کے ایک واحد ایٹم میں ان نیوٹرون کو پہلی حرکت یا جنبش یا ان کو بھڑکانے کا کوئی مؤثر طریقہ کار ہونا ضروری ہے۔ جس کے ذریعے ان کی سوئی ہوئی بھرپور قوت یکدم بیدار ہوکر اچانک بھڑک اٹھے۔ جس کے نتیجے میں ان کا اپنا تعمیری یا تخریبی کردار شروع ہوجائے۔ بلاشبہ کسی محرک آلۂ کار کے ذریعے ان نیوٹرونوں کو اچانک متزلزل کیا جاتا ہے اور اسی لمحہ ان میں بے پناہ طوفانی لرزش پیدا ہوجاتی ہے۔ اور یہ ایٹم کے اندر لاکھوں، اربوں نیوٹرونوں کو یکے بعد دیگرے انتہائی سُرعت کے ساتھ پھاڑتے چلے جاتے ہیں۔ اس وقت ان کی گردش رفتار کا عالم تقریباً ڈیڑھ لاکھ میل فی سیکنڈ ہوتا ہے۔ اس صورت حال کو سائنسداں اپنی زبان میں اشتقاق یا نیوکلیئر فژن (NUCLEAR FISSION) کہتے ہیں۔



خاکہ نمبر 4



ملاحظہ فرمایئے خاکہ نمبر 4 ۔ اشتقاق کے اس سلسلۂ عمل کے نتیجے میں بے پناہ قیامت خیز حرارت پیدا ہو ہو کر پھیلتی چلی جاتی ہے۔ اس حشر برپا صورت حال کو عرفِ عام میں "ایٹمی دھماکہ" (ATOMIC EXPLOSION) کہتے ہیں۔

اس دھماکہ کے ساتھ ہی تابکاری (RADIOACTIVITY) کے انتہائی مہلک اثرات کا پھیلاؤ ہوتا ہے جو لاکھوں برسوں تک برابر جاری و ساری رہتا ہے۔ نیوٹرون کے اس طرح برق رفتاری کے ساتھ بھڑکنے اور پھٹنے کی وجہ سے بے انتہا حرارت اور گرمی کی شدت پیدا ہوتی ہے۔ قرآن حکیم میں سورہ 92 میں ہے کہ "دنیا بھی ہمارے قبضہ میں ہے اور آخرت بھی سو میں نے تم کو بھڑکتی ہوئی آگ سے ڈرایا ہے"۔

آیئے اب ذرا اس کی غارت گری اور ہلاکت خیزی پر بہ صورت "ایٹم بم" روشنی ڈالتے ہیں۔ دوسری جنگِ عظیم میں، اگست 1945ء میں جاپان کے شہر ہیروشیما کی گنجان آبادی اور پر ہجوم لوگوں کے علاقے میں صبح سویرے دو ہزار فٹ کی بلندی سے جو ایٹم بم گرایا گیا تھا اس کے گرتے ہی آن واحد میں تقریباً 80,000 لوگ ہلاک 37,000 لوگ مجروح اور 10,000 لوگ لاپتہ ہو گئے تھے۔ تقریباً 42 میل مربع زمین قطعی طور پر خاکستر ہو کر ایک بھیانک غار کی صورت میں تبدیل ہو چکی تھی۔ جو لوگ اس متاثرہ علاقے سے میلوں دور بستے تھے ان میں ہزاروں افراد تابکاری (RADIO ACTIVITY) اثرات کی زد میں آ کر مر گئے اور ہزاروں لوگ لاعلاج مرض میں مبتلا ہو کر اب تک اپاہج کی طرح زندگی گزار رہے ہیں۔ متاثر علاقے کے اِرد گِرد اب بھی جو بچے پیدا ہوتے ہیں ان کی شکل میں شباہت اور جسمانی ساخت میں ایک بھیانک اور مکروہ قسم کی بدنمائی اور عیب داری ظاہر ہوتی ہے۔ تابکاری سے متاثرہ سارے علاقے کی دور دراز تک کی زمین بھی اپنی زرخیزی اور پیداوار کی خاصیت سے محروم ہو چکی ہے اور اب تک اکثر لوگ تابکاری کے مہلک اثرات کی وجہ سے مختلف امراض میں گرفتار ہو ہو کر موت کا شکار ہوتے جاتے ہیں۔ اس بم کا وزن 9000 پونڈ تھا اور اس کی لمبائی 10 فٹ تھی۔ جاپان کے دوسرے شہر "ناگاساکی" میں بھی اسی طرح کا دوسرا بم پھینکا گیا تھا اور وہاں بھی اسی طرح کی تباہ کاریاں برپا ہوئیں۔

برطانیہ میں پہلا آزمائشی "ایٹمی دھاکہ" 1952ء میں کیا گیا تھا۔ اس سے پہلے روس میں 1949ء میں بطورِ آزمائش و امتحان ایٹمی دھماکہ کیا گیا۔ امریکہ میں تو بہت پہلے ہی کئی "ایٹمی دھماکے" ہوتے رہے ہیں۔ اگرچہ موجودہ کئی ترقی پذیر اور ترقی پسند ممالک میں "ایٹم بم" تیار ہو چکے ہیں۔ لیکن خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ جنگ کی فضا میں یہ عروج پانے والا "ایٹم برائے امن" اب عوام کی بہبودی اور ملک و قوم کی خوشحالی اور ترقیاتی منصوبوں میں "ایٹم برائے سلامتی اور ترقی" ثابت ہو رہا ہے۔

میں اپنے دشمنوں کا کس قدر ممنونِ منّت ہوں
کہ ان کے شر سے کیا کیا خیر کے پہلو نکلتے ہیں

جوہری توانائی کو کارآمد اور مفید بنانے کے لیے اس کی تخلیق و پیداواری پھر "رکھ رکھاؤ" کا سلسلہ "ایٹم بم" بنانے سے کہیں زیادہ مشکل کام ہے۔ آپ غور فرمایئے۔ ایک بے پناہ اور لامحدود قوت کا پیدا کرنا اور اسی لمحہ بم کی صورت میں اس قوت کو اُڑا دینا تو آسان ہے۔ لیکن اس بے قابو طاقت و قوت کو قابو میں رکھنا اور اپنے طریقے پر استعمال کرنا کوئی آسان بات نہیں۔ اس کے لیے بہت محفوظ جگہ کا ہونا، اور متعلق خاص لوازمات اور سامان کا تابکاری اثرات سے محفوظ رکھنا بہت لازمی ہے۔ اس میں بہت کثیر رقم اور انتہائی ماہرین کارکن کی رہنمائی اور اس کی استادانہ خدمات کی ضرورت درکار ہوتی ہے۔

نہ سمجھوگے تو مٹ جاؤگے

★ علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے اور اس فریضہ کی ادائیگی میں کوتاہی آخرت میں جواب دہی کا باعث ہوگی۔ اس لیے ہر مسلمان کو لازم ہے کہ اس پر عمل کرے۔

★ حصول علم کا بنیادی مقصد انسان کی سیرت و کردار کی تشکیل، اللہ کی عبادت اور مخلوق کی خدمت ہے۔ معیشت کا حصول ایک ضمنی بات ہے۔

★ اسلام میں دینی علم اور دنیاوی علم کی کوئی تقسیم نہیں ہے، ہر وہ علم جو مذکورہ مقاصد کو پورا کرے، اس کا اختیار کرنا لازمی ہے۔

★ مسلمانوں کے لیے لازم ہے کہ وہ دینی اور عصری تعلیم میں تفریق کے بغیر ہر مفید علم کو ممکن حد تک حاصل کریں۔ انگریزی اسکولوں میں تعلیم پاتے والے بچوں کی دینی تعلیم کا انتظام گھروں پر، مسجد یا خود اسکول میں کریں۔ اسی طرح دینی درسگاہوں میں پڑھنے والے بچوں کو جدید علوم سے واقف کرانے کا انتظام کریں۔

★ مسلمانوں کے جس محلّہ میں مسجد، مکتب، مدرسہ یا اسکول نہیں ہے، وہاں اس کے قیام کی کوشش ہونی چاہیئے۔

★ مسجدوں کو اقامت صلوٰۃ کے ساتھ ابتدائی تعلیم کا مرکز بنایا جائے۔ ناظرہ قرآن کے ساتھ دینی تعلیم، اُردو اور حساب کی تعلیم دیجائے۔

★ والدین کے لیے ضروری ہے کہ وہ پیسہ کے لالچ میں اپنے بچوں کو تعلیم سے پہلے، کام پر نہ لگائیں، ایسا کرنا ان کے ساتھ ظلم ہے۔

★ جگہ جگہ تعلیم بالغاں کے مراکز قائم کیے جائیں اور عمومی خواندگی کی تحریک چلائی جائے۔

★ جن آبادیوں میں یا ان کے قریب اسکول نہ ہو وہاں حکومت کے دفاتر سے اسکول کھولنے کا مطالبہ کیا جائے۔

(منجانب)

1۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب (لکھنؤ) 2۔ مولانا سید کلب صادق صاحب (لکھنؤ) 3۔ مولانا ضیاء الدین اصلاحی صاحب (اعظم گڑھ) 4۔ مولانا مجاہدالاسلام قاسمی صاحب (پھلواری شریف) 5۔ مفتی منظور احمد صاحب (کانپور) 6۔ مفتی محبوب اشرفی صاحب (کانپور) 7۔ مولانا محمد سالم قاسمی صاحب (دیوبند) 8۔ مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب (دیوبند) 9۔ مولانا عبداللہ اجراروی صاحب (میرٹھ) 10۔ مولانا محمد سعود عالم قاسمی صاحب (علی گڑھ) 11۔ مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب (اعظم گڑھ) 12۔ مولانا کاظم نقوی صاحب (لکھنؤ) 13۔ مولانا مقتدا احسن ازہری صاحب (بنارس) 14۔ مولانا محمد رفیق قاسمی صاحب (دہلی) 15۔ مفتی محمد ظفیرالدین صاحب (دیوبند) 16۔ مولانا توصیف رضا صاحب (بریلی) 17۔ مولانا محمد صدیق صاحب (ہتھورا) 18۔ مولانا نظام الدین صاحب (پھلواری شریف) 19۔ مولانا سید جلال الدین عمری صاحب (علی گڑھ) 20۔ مفتی محمد عبدالقیوم صاحب (علی گڑھ)

ہم مسلمانانِ ہند سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ مذکورہ تجاویز پر اخلاص، جذبہ، تنظیم اور محنت کے ساتھ عمل پیرا ہوں اور ہر اس ادارہ، افراد اور انجمنوں سے تعاون کریں جو مسلمانوں میں تعلیم کے فروغ اور ان کی فلاح کے لیے کوشش کر رہے ہیں



قرآن اور علم جنینیات

ڈاکٹر عبدالمعز شمس
پوسٹ بکس 888 مکہ مکرمہ

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ
مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۝
ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً
فِیْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝ ثُمَّ
خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً
فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً
فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا
فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ق
ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ط
فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ
الْخٰلِقِيْنَ ۝

ہم نے انسان کو مٹی کے ست سے بنایا۔ پھر اسے ایک محفوظ جگہ ٹپکی ہوئی بوند میں تبدیل کیا پھر اس بوند کو لوتھڑے کی شکل دی، پھر لوتھڑے کو بوٹی بنادیا، پھر بوٹی کی ہڈیاں بنائیں، پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا، پھر اسے ایک دوسری مخلوق بنا کھڑا کیا۔ پس بڑا ہی بابرکت ہے اللہ سب کاریگروں سے اچھا کاریگر۔

(سورہ المومنون 14-12)

علم جنینیات (EMBRYOLOGY) سے تعلق رکھنے والی متعدد آیات قرآن میں مختلف مقامات پر نازل ہوئی ہیں اور تخلیق انسانی کے سلسلے کے باریک سے باریک نکتوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کے ذریعے بنی نوعِ انسانی تک پہنچایا ہے۔ متذکرہ آیات مبارکہ میں نہایت وضاحت کے ساتھ انسانی تشکیل کا ذکر آج سے چودہ سو سال قبل آچکا ہے لیکن عقل انسانی پر صدیوں پردے پڑے رہے۔ گزشتہ دو صدی میں بعض تحقیقات کے بعد حقائق عین قرآن کریم کی وضاحتوں کے مطابق سامنے آئے ہیں۔

مندرجہ بالا آیات کریمہ پر اگر غور کریں تو ان میں نئی اصطلاحات کا استعمال ہوا ہے:

(الف) نطفہ:

جس کے لغوی معنی "رطوبت کا قطرہ" ہیں۔ قرآن کریم میں مختلف مقامات پر اس کی تین حالتیں بیان ہوئی ہیں:

1۔ مردانہ نطفہ
2۔ زنانہ نطفہ
3۔ زنانہ و مردانہ نطفہ کا مخلوط جسے قرآن میں نطفۃ الامشاق کہا گیا ہے

(ب) علقہ:

جس کے معنی ہیں ایک دوسرے سے جڑے اور رحم مادر سے چپکے جس کی وضاحت IMPLANTATION کے مراحل میں ملتی ہے۔

(ج) مضغۃ:

اس کے ادبی معنی ہیں "گوشت کا ٹکڑا جسے خوب چبایا گیا ہو"۔ یہ علوم جنینیات کے SOMITE STAGE کے عین مطابق ہے۔

قرآن میں مضغہ دو حصوں میں منقسم ہوتا ہے:
(1) مضغہ مخلقہ اور (2) مضغہ غیر مخلقہ

جنینیات کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ مضغہ مخلقہ والے مرحلے میں اعضاء کی تخلیق ہوتی ہے اور غیر مخلقہ کی حالت میں اسقاط الحمل ہوجاتا ہے۔

جنینیات میں مضغہ مخلقہ کے مرحلے کو ORGANOGENESIS کہتے ہیں اور اسی میں خلیوں کا فرق اور امتیاز شروع ہوتا ہے۔

(د) مضغہ سے مراد ہڈیوں کی ساخت اور ان پر گوشت چڑھنے کا عمل۔

قرآن کریم میں واضح ہے کہ مضغہ ہڈیوں میں تبدیل ہوجاتا ہے اور پھر وہ گوشت سے ڈھک جاتا ہے۔ یہی تصور آج کے



دور میں علم جنینیات کا بھی ہے جس میں دو مرحلوں کا ذکر ہے۔

(1) SCLEROTOME جہاں نظام اعضام شروع ہوتا ہے۔

(2) MYOTOME جہاں نظام عضلہ شروع ہوتا ہے۔

نظام اعضام کے بعد ہی نظام عضلہ شروع ہوتا ہے یعنی ہڈیوں کے تیار ہوتے ہی اس پر گوشت کے پٹھے چڑھنے لگتے ہیں۔

انسانی جنین (HUMAN EMBRYO) کے آسان سے پیچیدہ مختلف مراحل کا تصور آج کے دور کے انسان کے لیے بالکل نیا انکشاف ہے جسے سب سے پہلے ولف (WOLFF) نے 1839ء میں تحریر کیا۔ قرآن کریم، احادیث اور تفاسیر نے اس تصور کو نزول قرآن کے بعد ہی پیش کیا تھا، جو اب سائنسی طور پر تفتیش اور تحقیق کے بعد منظر عام پر آیا ہے۔ تقریباً 1300 سال اس جامع کلام کے موجود ہوتے ہوئے بھی انسان تاریکیوں میں گم رہا۔

آئیں قرآن کریم کے نزول کے وقت سے اب تک جنینیات کے مفروضات اور انسانی معلومات پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں۔

ارسطو (84 - 322 ق م) نے سب سے پہلے موضوع جنینیات پر اور جنین کے نشوونما پر مقالہ لکھا تھا اس کے دور میں بھی دو نظریات موجود تھے۔

(1) مردانہ منی یا زنانہ رطوبت میں پہلے سے (PRE-FORMED) ایک چھوٹی مخلوق (MINIATU-RE CREATURE) موجود ہوتی ہے جو عورت کے رحم میں نشوونما پاتی ہے۔

(2) حقیقی تخلیق حیض کے خون سے ہوتی ہے۔

ارسطو کا نظریہ بھی آخر الذکر مفروضہ سے موافقت رکھتا تھا اور بقول اس کے مرد کی منی کی اہمیت محدود تھی اور حیض کے خون کو لوتھڑے کی شکل اختیار کرنے میں اس کے قول کے مطابق مردانہ منی کی حیثیت وہی ہے جیسے دودھ میں دہی کی تھوڑی مقدار ملا کر دہی یا پنیر تیار کیا جاتا ہے۔ ارسطو کے علم و دانش، فہم و ذکا اور معلومات کا دبدبہ اور رعب اسقدر تھا کہ صدیوں کسی نے اس مفروضہ پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔

آج سے چودہ سو سال قبل ارسطو کے مفروضہ کے لیے آیات قرآنی اور رسول اکرمؐ کے کلمات ایک چیلنج ثابت ہوئے۔

سورۃ الدہر میں اللہ فرماتا ہے:

إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا ۝ (سورۃ الدھر: 2)

ہم نے انسان کو ایک مخلوط نطفے سے پیدا کیا تاکہ اس کا امتحان لیں اور اس غرض کے لیے ہم نے اسے سننے اور دیکھنے والا بنایا۔

ابن عباسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے۔ ان سے جب مندرجہ بالا آیت کی تشریح دریافت کی گئی تو فرمایا "نطفۃ الامشاج" مرد و عورت کے مخلوط سیال کو کہتے ہیں جو مختلف ارتقائی مراحل سے گزرتے ہیں (تفسیر ابن جریر، تفسیر ابن کثیر)

کوئی بھی مفسر اس نکتہ سے اختلاف نہیں کرتا اور سبھی متفق ہیں۔ لیکن ارسطو کے علم کا دبدبہ اتنا تھا کہ سوائے مسلم فلسفی اور سائنسدانوں کے کوئی ماننے کو تیار نہ تھا ابن القیم (تیرھویں صدی)، ابن حجر عسقلانی (چودھویں صدی) نے بھی اپنی کتابوں میں اسی طرح کا ذکر کیا ہے۔

قرون وسطیٰ میں قرآن اور احادیث کے ذریعہ بنائے انسانی خاص کر جنینیات کے موضوع پر حیرت انگیز انکشافات ہوئے ہیں۔ کیتھ مور (KEITH MOORE) نے اپنی کتاب THE DEVELOPING HUMAN — میں پہلی بار



قرآنی انکشافات کے مطابق بعض حقائق قلمبند کیے ہیں۔
اٹھارھویں صدی تک یہ سمجھا جاتا رہا کہ تخم میں ہی انسان کی شکل موجود ہوتی ہے جو مرد کی منی کی تحریک کا محتاج ہوتا ہے لیکن ولف نے اسے غلط بتایا۔ اس نے تخم میں خلیہ کا تصور پیش کیا اور بتایا کہ بتدریج مختلف مراحل سے گزر کر جنین (EMBRYO) وجود میں آتا ہے جسے EPIGENESIS کہتے ہیں۔

پینڈر (PANDER) نے 1817ء میں چوزے کی تین ابتدائی GERM LAYERS کی وضاحت کی جسے وان بیئر (VON BAER) 37 - 1829) نے دوسرے جانوروں کی تخلیق میں بھی واضح کیا۔ وہ بابائے جدید علوم جنینیات مانا جاتا ہے۔

شلائیڈن اور شوان (SCHLEIDEN & SCHWANN) نے 1839ء میں سب سے پہلے اصول خلیہ کا تصور پیش کیا، جس کے تقریباً 20 سال بعد تخم (OVA) اور منی (SPERM) بھی خلیے کی حیثیت سے جانے جانے لگے۔

ہرٹ وگ (HERTWIG) (1875) پہلا شخص تھا، جس نے سائنٹفک طریقے سے تخم ریزی کی وضاحت کی۔ اس کے بعد وان بیڈن (VON BEDEN) (1883) نے نر و مادہ خلیہ میں کروموزوم (CHROMOSOME) کی تعداد یکساں ہونے کو ثابت کیا۔

ملاحظہ فرمائیں قرآن و احادیث میں یہ بات نہایت واضح ہے کہ

(1) انسانی جنین کی ساخت میں نر و مادہ برابر کے حصہ دار ہیں۔

(2) انسانی جنین پہلے سے تیار شدہ نہیں ہوتا بلکہ مختلف مراحل سے گزر کر ہی تیار ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم کو قرآن پاک صحیح اور مکمل ڈھنگ سے سمجھنے اور اس سے مستفیض ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)



حق کی تلاش

ڈاکٹر محمد اسلم پرویز

کلام پاک میں کن چیزوں کو حق یعنی سچائی کہا گیا ہے اور ان میں سے کس پر کتنی تاکید کی گئی ہے، اس بات کا جائزہ لیں تو ایک نہایت قابل توجہ حقیقت سامنے آتی ہے۔ حق کا استعمال اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کے بارے میں تین جگہ اور قرآنِ حکیم کے بارے میں دس جگہ ہے۔ ایک جگہ انبیاء کو حق کہا گیا ہے۔ ایک جگہ قیامت کے وزن کو حق کہا ہے (وَالْوَزْنُ یَوْمَئِذِ الْحَقُّ) نیز ایک مقام پر موت کے نشے (سَكْرَةُ الْمَوْتِ) کو برحق کہا گیا ہے۔ ان کے علاوہ بقیہ تمام مواقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنی فطرت اور خلّاقی کو حق بیان کیا ہے۔ قرآن کریم میں تیس (30) سے بھی زیادہ مقامات پر پروردگارِ عالم نے اس کائنات اور اس میں پھیلی ہوئی اپنی تخلیقات کو حق یعنی سچائی بتایا ہے۔ مثلاً

(1) خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ط اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۝ 29/4

ترجمہ: اللہ نے آسمانوں اور زمین کو سچائی کے ساتھ پیدا کیا۔ بیشک اس میں ایمان والوں کے لیے بڑا اشارہ ہے۔

(2) مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى 46/1

ترجمہ: ہم نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ اس کے درمیان ہے، نہیں پیدا کیا مگر سچائی کے ساتھ اور ایک وقت مقررہ تک۔

(3) هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ ط مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ج یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ: 10/1

ترجمہ: اور وہ خدا ہے جس نے سورج کو شعلہ بنا دیا ہے اور چاند کو نور اور اس کی منزلیں مقرر کر دیں تاکہ تم سنوں کی گنتی کر سکو اور حساب کر لو۔ خدا نے یہ پیدا نہیں کیا مگر ساتھ حقیقت کے۔ ان اشاروں کو علم والی قوم کے فائدے کے لیے کھول کھول کر بیان کرتا ہے۔

ان آیات پر اور ان کا مخاطب کون ہے اس بات پر غور کرنے سے پہلے اس بات پر توجہ دینا ضروری ہے کہ پروردگار نے اپنی تخلیقات کو برحق بتاتے ہوئے ان کی طرف انسان کی توجہ کیوں مبذول کرائی ہے۔ اہل ایمان کے لیے لازم ہے کہ وہ اللہ، قرآن حکیم، انبیاء کرام، قیامت اور موت پر یقین رکھیں۔ چونکہ یہ ایمان کا جزء ہیں، لہٰذا ان پر یقین تو اہل قرآن کو ہوگا ہی۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کی توجہ اس جانب کھینچ رہا ہے کہ جہاں اگر وہ غور و فکر اور عمل کریں گے تو ان کا ایمان مضبوط اور یقین کامل ہوگا۔ خالق کے تئیں ان کی عقیدت و محبّت بھی بڑھے گی، ساتھ ہی اس کی عظمت اور ہیبت اس طرح دل نشین ہوگی کہ وہ اس کی حکم عدولی کی جرأت بھی نہ کریں گے۔ جس دل میں اس انداز سے ایمان جاگزیں ہو جائے گا اس پر شیطان مردود کا کیا زور چلے گا اور اس طرح اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو انجام بد سے محفوظ رکھے گا۔ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے جن آیات میں اپنی تخلیقات کا ذکر کیا ہے وہاں خطاب اس قوم سے ہے جو فکر رکھتی ہے (لِقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ)، علم رکھتی ہے (لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ) عقل رکھتی ہے (لِقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ)، یقین رکھتی ہے (لِقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ)، نعمتوں کا رضاءِ الٰہی کے مطابق استعمال کرتی ہے یعنی حقیقی شکر کرتی ہے (لِقَوْمٍ یَّشْكُرُوْنَ)، (حق کو) سننے کی صلاحیت رکھتی ہے (لِقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ)، (عملاً اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کی



مکمل عظمت پر) ایمان رکھتی ہے (لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ)،
قدرت کے کارخانے میں سرگرم عمل ہے (لِقَوْمٍ يَّعْمَلُوْنَ)،
مستقل مزاج، محنتی اور قدر دان ہے (لِكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ)
نیز اللہ کے عذاب سے خوفزدہ ہے محتاط ہے (لِقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ)۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ۝ مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ $\frac{44}{2}$

ترجمہ: اور ہم نے آسمانوں اور زمین اور جو ان کے درمیان ہے کھیلتے کھیلتے نہیں بنایا۔ ہم نے ان کو نہیں پیدا کیا مگر بطور حقیقت کے۔ لیکن اکثر لوگ اس کا علم نہیں رکھتے۔

گویا اس کائنات کو اللہ تعالیٰ نے کھیل کھلواڑ میں نہیں بنایا بلکہ نہایت سچے اصولوں اور ضوابط کی بنیاد پر یہ پورا انتظام قائم کیا ہے۔ یہ کس خوبصورتی اور حسن ترتیب سے قائم کیا گیا ہے، اس کو سمجھنے کے لیے تو اس کا علم حاصل کرنا ہی لازمی ہے تاہم خالق کائنات نے کیا خوب کہا ہے کہ اکثر لوگ اس کا علم نہیں رکھتے۔ یہ انسان کی بے حسی اور ناشکری کے تئیں اللہ تعالیٰ کا شکوہ بھی ہے اور ایک حقیقت بھی۔

کفر کے معنی انکار کے ہیں۔ انکار دو طرح سے کیا جاسکتا ہے یا تو زبان سے باقاعدہ اعلان کرکے یا عملاً منکر ہو کے۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے یہ کائنات جس طرح پیدا فرمائی ہے وہ اس کی تخلیق کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔ اپنی تخلیق پر اسے بجا فخر ہے جس کا اظہار اس نے یوں کیا ہے:

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ۝ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ۝ $\left(\frac{51}{48}\right)$

ترجمہ: اور اس آسمان کو ہم نے اپنے ہاتھ سے بنایا اور ہم ضرور بڑی وسیع طاقت رکھنے والے ہیں اور اس زمین کو ہم نے خود فرش کیا، تو دیکھو ہم کیسے اچھے بچھانے والے ہیں۔

اس انداز کے ارشاد پاک ہم کو قرآن پاک میں جا بجا نظر آتے ہیں۔ ایک طرف رب العالمین اپنی تخلیقات کا ذکر کرکے ہم کو انھیں دیکھنے، سمجھنے، ان پر غور و فکر کرنے اور ان کا ادراک حاصل کرنے کے واسطے پیہم عمل کرنے کا حکم دے رہا ہے تو دوسری طرف ہم اگرچہ زبان سے تو انکار نہیں کرتے کہ یہ سب اس نے عبث بنایا ہے۔ تاہم ان عظیم الشان اور محیر العقل تخلیقات کی طرف سے بے التفاتی برت کرکے ان پر توجہ نہ دے کر، ان کی کارکردگی اور تخلیق کو سمجھنے کی کوشش نہ کرکے عملاً اس سے انکار کرتے ہیں۔ غور طلب بات یہ ہے کہ جو لوگ اس کائنات کو، فطرت کو باطل سمجھتے ہیں، قرآن کریم ان کو کافر قرار دیتا ہے اور ان کے جہنمی ہونے کا اعلان کرتا ہے:

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ؕ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ۝ $\left(\frac{38}{26}\right)$

ترجمہ: ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، جھوٹ نہیں پیدا کیا۔ یہ ان لوگوں کا گمان ہے جو کافر ہیں، تو حیف ہے کہ ان کافروں کو جہنم ہوگا۔

افسوس کا مقام ہے کہ ہم زبان سے تو کفر نہیں کرتے تاہم عملاً اللہ تعالیٰ کے ان احکامات کی تعمیل نہ کرکے "صحیفۂ فطرت" کی طرف سے غافل ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو ہر قسم کے کفر، شیطان کے بہکاوے اور جہنم سے محفوظ رکھے (آمین)



زیتون

راشد حسین
ہمالیہ ڈرگ کمپنی، نئی دہلی

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِہٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّیٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ۝

(سورہ النور، آیت 35)

اللہ روشنی ہے آسمانوں کی اور زمین کی، مثال اس کی روشنی کی جیسے ایک طاق اس میں ہو ایک چراغ، وہ چراغ دھرا ہو ایک شیشہ میں، وہ شیشہ ہے جیسے ایک تارہ چمکتا ہوا، تیل جلتا ہے اس میں ایک برکت کے درخت کا، وہ زیتون ہے نہ مشرق کی طرف ہے اور نہ مغرب کی طرف، قریب ہے اس کا تیل کہ روشن ہو جائے، اگرچہ نہ لگی ہو اس میں آگ، روشنی پر روشنی، اللہ راہ دکھلا دیتا ہے اپنی روشنی کی جس کو چاہے اور بیان کرتا ہے اللہ مثالیں لوگوں کے واسطے اور اللہ سب چیز کو جانتا ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَیْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ اُنْظُرُوْا اِلٰى ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝

(سورہ الانعام: 99)

اور اسی نے اتارا آسمان سے پانی پھر نکالی ہم اس سے اگنے والی ہر چیز پھر نکالی اس میں سے سبز کھیتی جس سے ہم نکالتے ہیں دانے ایک پر ایک چڑھا ہوا اور کھجور کے گابھے میں سے پھل کے گچھے جھکے ہوئے اور باغ انگور کے اور زیتون کے اور انار کے آپس میں ملتے جلتے اور جدا جدا بھی، دیکھو ہر ایک درخت کے پھل کو جب وہ پھل لاتا ہے اور اس کے پکنے کو، ان چیزوں میں نشانیاں ہیں ایمان والوں کے لیے۔

يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝

(سورہ النحل: 11)

اُگاتا ہوں تمہارے واسطے اس سے کھیتی اور زیتون اور کھجوریں اور انگور اور ہر قسم کے میوے اس میں البتہ نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو غور کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں سات جگہ زیتون کا ذکر کیا ہے۔ پہلی مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے نور کی مثال میں ایک ایسے چراغ کو بیان کرتے ہیں جس کے اوپر قندیل چڑھی ہو۔ چراغ کی روشنی سے یہ قندیل ستاروں کی مانند چمکتی ہے۔ اس چراغ کو روشنی کے لیے توانائی زیتون کے مبارک درخت کے تیل سے حاصل ہوتی ہے۔

سورۃ انعام کی آیت میں پھلوں کے پکنے کے فلسفہ پر روشنی ڈالی ہے۔ سورۃ النحل کی گیارھویں آیت میں اللہ تعالیٰ نے زیتوں اور کھجور کے پھلوں کے ساتھ دوسرے پھلوں کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ وہ لوگ جو فکر و دانش رکھتے ہیں ان کے لیے اس عمل میں بہت سی مفید نشانیاں پنہاں کر دی گئی ہیں۔ اسی طرح چار

جگہ اور زیتون کا ذکر قرآن مجید میں ملتا ہے۔ جہاں کہیں کسی اچھی فصل کا تذکرہ ہوا، زیتون ضرور شامل ہوا۔ اللہ نے دوسرے پھلوں کا ذکر بھی کیا ہے لیکن وہ سب خوش ذائقہ ہیں جیسے کھجور، انگور اور انار وغیرہ۔ یعنی یہ سب پھل ایسے ہیں کہ کوئی ان کی طرف توجہ نہ بھی دلائے تو بھی آدمی ان میں دلچسپی ضرور لے گا۔ مگر زیتون کا ذائقہ ایسا نہیں ہے کہ کوئی اس سے رغبت محسوس کرے۔ تو ظاہر ہے اس کی جانب بار بار متوجہ کروانے کی ضرورت اور اس کے

عام فہم نام	زیتون
نباتاتی نام	*Olea europaea*
فیملی	OLEACEAE
انگریزی نام	OLIVE
فارسی نام	زیت
عربی نام	دہن الزیت
اردو/ہندی نام	زیتون

فوائد کے بارے میں روشنی دکھانے کا مقصد یہ ہے کہ یہ پھل ذائقہ کے لیے نہیں بلکہ فوائد کے لیے ہے۔ فوائد بھی ایسے جن کو ہم آج تک پوری طرح شاید نہ سمجھ پائے ہیں اور ان میں غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے اس درخت کو اتنی اہمیت دی ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہمیت کے اسباب پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ حضرت اسیہ الانصاریؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کلوا الزیت وادھنوا بہ۔ فانہ من شجرۃ مبارکۃ۔" (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)۔



زیتون کی ڈال اور پھل

زیتون کے تیل کو کھاؤ اور اس سے جسم کی مالش کرو۔ کہ یہ ایک مبارک درخت سے ہے۔

اس قسم کی بہت ساری احادیث ہیں جن میں زیتون کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

مؤرخین کی رائے میں زیتون کا درخت تاریخ کا ایک قدیم ترین پودا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق 3500 سال قبل مسیح میں باقاعدہ کریٹ (CRETE) شہر میں اس کو اگایا گیا۔ 2000 قبل مسیح میں یہ فونیشیا (PHOENICIA) اور شام میں پایا جاتا تھا۔ مصری مقابر



سے برآمد ہوتے والی اشیاء میں زیتون کے تیل سے بھرے ہوئے برتن شامل تھے۔ توریت میں بھی اس کا تذکرہ ملتا ہے۔ انجیل کے پیدائش باب میں لکھا ہے کہ جب نوح علیہ السلام کو اندازہ ہوا کہ طوفان ختم ہوگیا ہے تو انھوں نے فاختہ کو اُڑایا۔ فاختہ جب واپس کشتی میں لوٹی تو اس کی چونچ میں زیتون کی تازہ ڈال تھی۔ گویا کشتی والوں کے لیے یہ سلامتی کا پیغام تھا۔ آج بھی "چونچ میں زیتون کی ڈالی لیے ہوئے فاختہ" امن و سلامتی کے پیغام کا نشان مانا جاتا ہے۔ مشہور فلسطینی مجاہد رہنما جناب یاسر عرفات نے جب اقوام متحدہ کے اجلاس سے خطاب کیا تو سب سے پہلی بات یہ کہی کہ "میں آپ کے پاس زیتون کی ڈالی لے کر آیا ہوں"۔ اولمپک کھیلوں میں جیتنے والے خوش نصیبوں کے سر پر زیتون کے پتّوں کا تاج پہنایا جاتا تھا۔ ان سب باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ زیتون کو اللہ نے کتنا عروج عطا کیا ہے۔

ماہیت: آجکل زیتون کے درخت ایشیائے کوچک، عزرائیل، فلسطین، بحر روم کے خطّے، یونان، پرتگال، اسپین، ترکی، اٹلی، شمالی افریقہ اور آسٹریلیا کے جنوبی علاقوں میں پائے جاتے ہیں۔ ہندوستان میں زیتون کا تیل اٹلی اور اسپین سے درآمد ہوتا ہے۔

زیتون کے درخت 8 - 10 میٹر اونچے ہوتے ہیں تنے پر ہری پیلی چھال ہوتی ہے اور شاخوں پر کانٹے ہوتے ہیں۔ پتیاں تقریباً 5 سینٹی میٹر تک لمبی ہوتی ہیں۔ اوپر سے گہری ہری اور نیچے سے خاکستری رنگ کی ہوتی ہیں۔ پھل پکنے پر بہت سخت ہوتے ہیں۔ پھل بیر کی شکل کے ہوتے ہیں۔ پھلوں کا رنگ اودا، جامنی اور ذائقہ کسیلا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زیتون کا پھل غذائیت سے بھرپور ہوتے ہوئے بھی زیادہ مقبول نہیں ہے۔ سلاد کی شکل میں کچّے پھل استعمال کیے جاتے ہیں۔ دوا طور پر بھی اس کے پتے استعمال کیے جاتے ہیں لیکن کثیر تعداد میں جو استعمال ہوتا ہے وہ اس کا تیل ہے یہ زیتون کے پختہ پھلوں کو دبانے پر نکلتا ہے۔ اسی کو "روغن زیتون" بھی کہتے ہیں۔

کیمیاوی تجزیہ: زیتون کے پتوں میں اولیوروپائن (OLEOROPINE) اولیسٹیرول (OLEASTEROL) اور لین (LEINE) مرکبات پائے جاتے ہیں۔ روغن زیتون کا خاص جزو اولیک ایسڈ ہے جو 80 - 70٪ تک ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ قلیل مقدار میں پالمیٹک ایسڈ، اسٹرک ایسڈ، لینولک ایسڈ، ایریکڈ ایسڈ اور مائرسٹک ایسڈ پائے جاتے ہیں۔ ایک مرتبہ تیل کشید کرنے کے بعد بھی ایک اور تیل کھلی سے حاصل کیا جاتا ہے جو کہ صابن وغیرہ بنانے میں استعمال ہوتا ہے اور اس کو سلفر آئل کہتے ہیں۔

حکومت ہند کے "خوردنی اشیاء میں ملاوٹ کی روک تھام" محکمہ کے قانون کے تحت روغن زیتون کا تجزیہ کرنے کے لیے درج ذیل معیار مقرر ہے۔

بیوٹا یرو ریفریکٹومیٹر ناپ 40°c درجہ حرارت پر 53-56 کے درمیان ہونا چاہئے۔
سیپونیفیکیشن ناپ 185-196 کے درمیان
آیوڈین ناپ 79-90 کے درمیان
غیر سیپونیفیکیشن مادّہ 0.1٪ سے زیادہ نہ ہو
تیزابیت ناپ 6 سے زائد نہ ہو
تیل صاف شفاف اور دھندلاہٹ سے پاک ہو۔ تلی میں کوئی شے نہیں ہونی چاہئے۔

افعال و مواقع استعمال :

عام طور سے زیتون کے پتے اور تیل کو استعمال کیا جاتا ہے۔ پتیاں خواص کے اعتبار سے پیشاب آور ہوتی ہیں۔ اگر پتیوں کو پانی میں پکا کر پیا جائے تو بلڈ پریشر میں کمی آتی ہے۔ پیشاب کی مقدار میں اضافہ ہوتا ہے اور پتھری گردے کے نکلنے میں آسانی رہتی ہے زیتون کے پتوں کا عرق لگانے سے حساسیت سے پیدا پیدا ہونے والے جلدی امراض ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ زیتون کے پتے اُبال کر اُن سے کُلّیاں کرنا منہ اور زبان کے زخموں کو مندمل کر دیتا ہے۔

زیتون کی اصل شہرت کی وجہ سے اس کا بیش قیمتی تیل ہے۔ جسے روغن زیتون بھی کہتے ہیں ۔ روغن مزاج کے اعتبار سے گرم اور تر ہے۔ یہ غذائیت سے بھرپور ہوتا ہے۔ اس کو بطور سلاد کچا ہی استعمال کیا جاتا ہے۔ جو لوگ باقاعدہ زیتون کا تیل سر پر لگاتے ہیں، ان کے بال جلدی سفید نہیں ہوتے۔ اطبا نے لکھا ہے کہ اس کی سلائی باقاعدہ آنکھ میں لگانے سے آنکھ کی سرخی کٹ جاتی ہے اور موتیا بند کو کم کرنے میں مفید ہے۔ زیتون کا تیل مالش کرنے سے اعضا کو قوت حاصل ہوتی ہے۔ پٹھوں کا درد جاتا رہتا ہے۔ وجع المفاصل (GOUT) اور عرق النساء کو دور کرتا ہے۔ چہرے کو بشاشت دیتا ہے۔ ضعیف اشخاص خصوصاً ضعیف و لاغر بچوں کے بدن پر اس کی مالش کرتے ہیں۔ بدن کی خشکی دور کرنے اور جلدی امراض مثلاً چنبل اور خشک گنج میں لگاتے ہیں۔ 25 گرام تیل کی ایک خوراک لینے سے دائمی قبض میں فائدہ ہوتا ہے۔ زیتون کا تیل خون میں چربی کی مقدار کے توازن کو برقرار رکھنے میں مدد کرتا ہے۔ کچھ معالج پتے کی پتھری تحلیل کرنے کے لیے زیتون کے تیل میں لیموں کا عرق ملا کر مریض کو استعمال کرنے کی صلاح دیتے ہیں۔ لیکن یہ علاج تصدیق شدہ نہیں ہے (واللہ اعلم) معدے کے زخموں کو ٹھیک کرتا ہے۔ جب گردے ناکام ہو جاتے ہیں تو مریض نائٹروجن سے بری خوراک (NITROGEN FREE DIET) مہیا کرنے میں یہ بہت کام آتا ہے۔ زیتون کے تیل سے بنے ہوئے مرہم زیادہ اچھے ہوتے ہیں۔

چند افزائش حسن کے نسخے :

ہاتھوں اور جسم کو ملائم رکھنے کے لیے ایک چمچہ شہد میں دو چمچہ زیتون کا تیل حل کر لیں۔ گرم صابن کے پانی سے دھو کر تیل شہد کا مکسچر ملیں۔ ایک جوڑا سوتی دستانہ علیحدہ رکھ لیجئے اور روزانہ رات کو مکسچر مل کر پہن لیں۔ دو تین دن میں کھردراہٹ اور دراڑیں دور ہو جائیں گی۔

ناخنوں کو سخت کرنے کے لیے ہلکے گرم زیتون کے تیل میں 5 منٹ تک ڈبوئیں۔ دو چمچہ تیل میں تھوڑا سا موم ملا کر پگھلا لیں پھر گرم گرم میں روزمری، بیلا یا چمیلی کے پھول ڈال کر بند کر کے رکھ دیں۔ ٹھنڈا ہونے پر ایک کپ عرق گلاب شامل کر لیں، منہ پر لگانے کا بہت اچھا لوشن تیار ہو جائے گا۔

دو چمچہ زیتون کا تیل لے کر اس میں دو انڈوں کی زردی شامل کر کے پھینٹ لیں۔ ایک بیڈ کی مدد سے چہرے پر لگا کر 30 منٹ کے لیے چھوڑ دیں۔ گنگنے پانی میں تھوڑا سا لیموں شامل کر کے اس سے منہ دھو ڈالیں چہرہ صاف شفاف، ملائم اور پُرکشش ہو جائے گا۔



اُردو رومن میں

شاہین نظر
سعودی گزٹ، جدّہ

اگست کے شمارے میں محمد نعیم اللہ صاحب کا مضمون بعنوان "اردو کو کمپیوٹر کی زبان بنائیے"، غور طلب ہے۔ میں نے یہ مضمون بہت دلچسپی سے پڑھا اور دیر تک اس کے بارے میں سوچتا رہا۔ مضمون نگار نے ایک سنگین مسئلہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اردو ہندوستانی مسلمانوں کے ایک بڑے طبقے کی زبان ہے اور ان کی شناخت کا ذریعہ بھی۔ اس کی ترقی میں مسلمانوں کی ترقی پنہاں ہے۔ میں نے یہ مضمون پڑھ کر یہاں جدّہ میں کئی لوگوں سے اس کا ذکر کیا۔ ایک دو لوگ تو رسم الخط بدلنے کی بات سن کر ہتھے سے اکھڑ گئے اور اسے جہالت کی بات تک کہہ ڈالا۔ کچھ دوسرے لوگ خاموش رہے۔ ایک دو نے سراہا مگر یہ کہہ کر کہ یہ بہت مشکل کام ہے کوئی اسے مانے گا نہیں۔

حالیہ برسوں میں رسم الخط بدلنے کی جتنی بھی تجویزیں آئی ہیں وہ اردو مخالف حلقے ـــــ بالفاظ دیگر مسلم دشمن عناصر ـــــ کی طرف سے آئی ہیں، جس کا مقصد اردو کو ختم کرنا اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانا رہا ہے جبکہ نعیم اللہ صاحب کی تجویز مثبت سوچ کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے جس کا مقصد اردو کو بچانا اور اپنی قوم کو آگے کی طرف لے جانا ہے۔

ہر زمانے میں ریفارم کی ضرورت رہی ہے۔ انسان اپنے حالات اور اپنی ضرورتوں کے مطابق اپنی طرز زندگی میں تبدیلی لاتا رہتا ہے۔ اگر خطِ نستعلیق ہماری ترقی کی راہ میں رکاوٹ بن رہی ہے جیسا کہ ہندوستان کے مخصوص سیاسی اور سماجی پس منظر میں محسوس ہو رہا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اسے ڈھوتے رہیں۔ رسم الخط کوئی اللہ کا کلام نہیں کہ اسے بدلا نہیں جا سکتا ہے۔ یہ محض اظہار کا ذریعہ ہے جسے مضمون نگار نے "اوزار" کا نام دیا ہے۔ اگر ایک اوزار کی افادیت کسی وجہ سے کم ہو گئی ہے تو اس سے بہتر اوزار ایجاد کیجئے۔ رومن اسکرپٹ اس کے لیے موزوں ترین ہے۔ دیوناگری سے ہماری ذہنی ہم آہنگی نہیں۔ اسے اپنا کر ہم احساس شکست کا شکار ہو سکتے ہیں جبکہ انگریزی پر کیا دشمن، کیا دوست سب ہی بیعت کرتے ہیں۔ فی زمانہ یہ کامیابی کی علامت ہے۔ پھر مضمون نگار نے اس کے جو فائدے بتائے ہیں، وہ بہت مضبوط دلیل ہے، اسے اپنانے کی۔ کمپیوٹر جو آج ترقی کی نئی راہیں کھول رہا ہے اس کی زبان رومن ہے۔ ہم اپنی زبان کو اس سے ہم آہنگ کر لیں تو ہمارا اپنا دائرہ بھی وسیع ہوگا۔

مضمون نگار نے دنیا کے نو ممالک کا حوالہ دیا ہے جنھوں نے اس صدی میں ـــــ بلکہ چھ نے تو اس دہائی میں ـــــ اپنے اپنے رسم الخط کو چھوڑ کر رومن کو اپنایا ہے۔ اتفاق سے سب کی سب مسلم ریاستیں ہیں۔ اگر وہ ایسا کر سکتے ہیں تو ہم کیوں پیچھے رہیں۔

آج ہمارے سامنے جو چیلنج ہے وہ رسم الخط کی بقا کا نہیں ہے۔ اس کی حیثیت تو ثانوی ہے۔ اس سے ہمارا جذباتی لگاؤ اپنی جگہ مگر اصل مسئلہ اپنی مذہبی شناخت کو بچانے کا ہے، خاص کر اردو بولنے والے مسلمانوں کی شناخت کیونکہ ہماری مذہبی اور تہذیبی روایات اسی زبان سے جڑی ہیں۔ ہمارا تمام تر ادبی، ثقافتی اور دینی سرمایہ اسی زبان میں موجود ہیں۔ اسے بچانا ہے تو سب سے پہلے اسے اپنے لوگوں تک پہنچانا ہوگا۔ اور پہنچانے کی آسان سی صورت یہ ہے کہ اسے رومن میں لکھنا شروع کر دیں کیونکہ خط نستعلیق جاننے والوں کی تعداد دن بہ دن کم ہوتی جا رہی ہے۔



تمام تر جذباتیت اور محبّت کے باوجود حقیقت یہ ہے کہ آج کا پڑھا لکھا مسلمان بلکہ خود اردو میں شعر و ادب تخلیق دینے والا ادیب بھی اپنے بچوں کو پہلے انگریزی پڑھواتا ہے اور بعد میں موقع ہوتا ہے تو اردو پڑھواتا ہے یا سرے سے پڑھواتا ہی نہیں اور نامساعد حالات کا رونا رو کر اپنے آپ کو اس ذمّہ داری سے بری کر لیتا ہے۔ اگر اردو کا رسم الخط رومن ہوگا تو ایسا مسلمان ندامت سے بچ جائے گا۔ اس کی اولادیں بغیر محنت کے اردو جان لیں گی۔ گھر میں بول چال کی زبان تو بہر حال اردو ہے۔ مسئلہ صرف لکھنے کا ہے۔

آج ہندوستان میں ٹیلی ویژن کا بہت زور ہے خاص کر پرائیویٹ ٹی وی چینلس کا۔ ان چینلس پر جو زبان استعمال ہو رہی ہے وہ اصلاً اردو ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اردو کا استعمال کرنے والے پروفیشنلز خط نستعلیق سے ناواقف ہیں اور اردو صرف سُن کر سیکھی ہے۔ اگر رومن اسکرپٹ میں انھیں اردو کا مواد ملے گا تو اسے لوگ پڑھیں گے اور خرید کر پڑھیں گے۔ کیونکہ اس سے انھیں روزگار میں ترقی ملے گی۔

جہاں تک ہمارے علمی اور ادبی سرمایہ کا تعلق ہے اس کے ختم ہو جانے کا ڈر بے معنی ہے۔ اگر ہم دوسری زبانوں کے ادب کا ترجمہ کر سکتے ہیں تو اپنے ادب کو نئے رسم الخط میں منتقل کیوں نہیں کر سکتے۔ آخر جن ممالک نے پچھلے چند برسوں میں اپنا رسم الخط بدلا ہے ان کے پاس بھی علم و ادب کا ذخیرہ موجود ہوگا۔ انھوں نے یقیناً اسے ترک نہیں کر دیا ہوگا۔

مضمون نگار نے رسم الخط بدلنے کی تجویز بنیادی طور پر مادری زبان میں تعلیم دیئے جانے کی ضرورت کے تحت پیش کی ہے۔ ہمیں اس پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے۔ اگر اس طرح ہمارے لیے حصول علم کی بہتر صورت نکلتی ہے تو ہمیں اس تکلیف دہ مرحلے سے گزرنا ہوگا۔

نعیم اللہ صاحب نے سنٹرل ایشیائی ممالک میں رومن اسکرپٹ اپنائے جانے کا ذکر کیا ہے۔ یہ معاملہ ابھی تازہ ہے۔ میں ان سے درخواست کروں گا کہ وہ اس سلسلے کی مزید تفصیلات بتائیں۔ وہاں رسم الخط بدلنے پر احتجاج بھی ہوا ہوگا۔ کس طرح لوگوں نے اسے قبول کیا۔ اس تبدیلی کا پس منظر کیا تھا۔ کیا سوچ کارفرما تھی ان تفصیلات سے ہمیں یقیناً روشنی ملے گی۔



سگریٹ نوشی : اسلام اور سائنس کے آئینے میں

—— راشد جمال انصاری۔ مئو ناتھ بھنجن

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

اے ایمان والو، یہ جو ہے شراب اور جوا اور بت اور پانسے، سب گندے کام ہیں شیطان کے سو ان سے بچتے رہو تاکہ تم نجات پاؤ۔

(سورہ: المائدہ 90)

اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کے ذہن کو مختلف قسم کے انقلابات کا مرکز بنا رکھا ہے۔ مثلاً جب وہ ایک ہی ماحول، ایک ہی تہذیب اور ایک ہی کلچر سے اکتا جاتا ہے اور جدت کے ذریعہ منزل بہ منزل ترقی کا خواب دیکھنے لگتا ہے، تو ارتقاء کی ان منازل میں یا تو اسے ماحول مناسب مل جاتا ہے، یا پھر گھریلو پریشانیاں، دوست واحباب کی جانب سے حوصلہ شکن کلمات، معاشرے کی ذلت و رسوائیاں اس کے دل کی ابھرتی ہوئی امنگوں کے لیے ہر قدم اور ہر موڑ پر رکاوٹ بن جاتی ہیں جس کی وجہ سے وہ ترقی کے زینوں کو سر نہیں کر پاتا۔ ایسی ناگفتہ حالت میں اس کا دم گھٹنے لگتا ہے۔ لہٰذا اس بکھرے وجود کو یکجا کرنے کے لیے ان اشیاء کا استعمال کرتا ہے جو صحت و توانائی اقتصادی، معاشی اور سماجی اعتبار سے انسان کے لیے نہایت مہلک اور تباہ کن ثابت ہوتی ہیں۔

چنانچہ دور حاضر کا انسان اپنی فہم و فراست، عقل و شعور، دانائی و بینائی، تدبر و تفکر اور فکر سلیم کو بالائے طاق رکھ کر اس قدر نشہ آور اشیاء کے استعمال کا عادی بن گیا ہے کہ کسی دور میں اس کی نظیر بہ مشکل ہی مل پائے گی۔ انھیں میں سے ایک سگریٹ نوشی بھی ہے۔

آیئے سب سے پہلے دیکھتے ہیں کہ سگریٹ کیا ہے اور وہ کس چیز سے بنتی ہے۔ یہ بات تو قطعی طور پر مسلّم ہے کہ سگریٹ تمباکو سے بنتی ہے اور تمباکو (TOBACCO) ایک انتہائی زہریلا پودا ہوتا ہے، جس میں تارکول اور نکوٹین جیسے خطرناک اجزاء پائے جاتے ہیں۔

سگریٹ نوشی صحت کے لیے نہ صرف نقصاندہ بلکہ انسان کے لیے باعث ہلاکت بھی ہے، ایک صحت مند نوجوان کثرت سگریٹ نوشی کی وجہ سے اپنی اعصابی کمزوریوں کے باعث بہت جلد سن رسیدہ معلوم ہونے لگتا ہے۔ دنیا کے تمام اطباء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تمباکو میں نکوٹین نام کا ایک زہریلا مادّہ ہوتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ اس کا عادی ٹی۔بی، کوڑھ، دمہ اور کینسر جیسی بیماریوں میں مبتلا ہو کر قبل از وقت اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ W.H.O. کے ایک جائزے کے مطابق دنیا میں ہر سال تقریباً دس لاکھ افراد سگریٹ نوشی کی وجہ سے پھیپھڑے کے کینسر میں مبتلا ہو کر لقمۂ اجل بن جاتے ہیں۔ جبکہ میڈیکل ریسرچ کونسل آف انڈیا کی ایک رپورٹ کے مطابق صرف ہندوستان میں 1992ء میں دو لاکھ اٹھارہ ہزار افراد سگریٹ نوشی کی وجہ سے کینسر کے مرض میں مبتلا ہوئے۔

اس میں شک نہیں کہ سگریٹ نوشی حرام ہے نیز ہر سلیم الطبع انسان اس کا شمار خبائث میں کرتا ہے۔ تمباکو کے بارے میں بہت سے علماء کا کہنا ہے کہ وہ مسکر یعنی نشہ آور ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ



کل مسکر خمر و کل مسکر حرام یعنی "ہر نشہ آور چیز شراب ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔" اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن کل مسکر و مفتر۔ یعنی "اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نشہ آور اور مفتر شئے سے منع فرمایا ہے۔"

سگریٹ نوشی سے جہاں ایک طرف کھانسی اور دمہ کی شکایت ہوتی ہے، وہیں اختلاج قلب، ہارٹ اٹیک، پھیپھڑے کا کینسر اور دیگر بہت سے امراض صدر کا عارضہ لاحق ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے انسان اپنے آپ کو ان امراض کے سخت اور اٹوٹ شکنجے میں جکڑ لیتا ہے اور موت کے پھندے کو گلے لگانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ جبکہ قرآن اس بات کی سخت تاکید کرتا ہے کہ کوئی شخص ہرگز کسی ایسے فعل کا ارتکاب نہ کرے جو اس کے لیے باعث ہلاکت ہو۔ چنانچہ ارشاد باری ہے: وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ (البقرہ: 195) یعنی "اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو ہلاکت کے گڑھے میں نہ ڈالو۔"

سگریٹ نوشی کی وجہ سے بہت سے زہریلے مادے براہِ راست انسان کی رگوں میں دوڑنے والے خون میں شامل ہو کر بلڈ پریشر، رفتار قلب کی سرعت، فالج اور کینسر جیسی خطرناک بیماریاں پیدا کر دیتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس میں اور بھی بہت سے نقصانات ہیں۔ مثلاً سگریٹ نوشی کرنے والا شخص اپنی عمر میں سے آٹھ سے لے کر بارہ سال تک ضائع کرتا ہے۔ کیونکہ ایسا شخص ہر مرتبہ سگریٹ پیتے وقت پندرہ سے لے کر 20 منٹ تک ضائع کرتا ہے۔ نیز یہ جان کر آپ کو حیرت ہوگی کہ دنیا بھر میں سگریٹ نوشی سے مرنے والوں کی تعداد، جنگ اور ٹریفک حادثات میں مرنے والوں کی تعداد سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ جہاں تک سگریٹ نوشی سے ہونے والی اموات کا تعلق ہے، ایک مطالعہ کے بعد یہ معلوم ہوا کہ صرف 1990ء میں ترقی یافتہ ممالک میں بیس لاکھ افراد اس عادت کی نذر ہو گئے اور تقریباً دو کروڑ دس لاکھ افراد بہت جلد موت کو گلے لگا لیں گے۔ حال ہی میں لندن سے شائع ہونے والی ایک رپورٹ میں یہ بھی انکشاف ہوا ہے کہ ترقی یافتہ ممالک کا پانچواں حصہ اگلے چند برسوں میں سگریٹ نوشی کی وجہ سے صفحۂ ہستی سے مٹ چکا ہوگا۔

سگریٹ نوشی کی وجوہات و محرکات مختلف ہوتی ہیں۔ بعض لوگ سگریٹ نوشی بطور عادت کرتے ہیں حتیٰ کہ انھیں اس سے کوئی لذت بھی حاصل نہیں ہوتی۔ جبکہ بعض لوگ اسے راحت کی خاطر نوش کرتے ہیں اور بعض لوگ سلبی طور پر پیتے ہیں اور ان کا یہ خیال ہوتا ہے کہ اس سے اضمحلال اور تھکاوٹ دور ہوتی ہے۔ مگر موجودہ دور کے طلباء سگریٹ صرف اور صرف ایک فیشن کے تحت پیتے ہیں، انھیں نفع یا نقصان کا خیال نہیں ہوتا۔ افسوس صد افسوس کہ عوام کے ساتھ خواص کا ایک طبقہ یعنی ماہرین علوم و فنون، اساتذۂ مدارس اور علماء بھی اس گھناؤنے اور جان لیوا مرض میں مبتلا ہیں۔

سگریٹ نوشی صحت کے لیے حد درجہ مضر ہے اور ہر وہ چیز جو صحت کے لیے مضر ہو مطلقاً حرام ہے۔ سگریٹ نوشی سے جسم میں فتور اور اعصاب میں بے حسی پیدا ہوتی ہے اور صحت کمزور ہو جاتی ہے۔ مزید برآں یہ کہ جو پست ہمتی، اخلاقی گراوٹ اور شعور میں کمزوری پیدا ہوتی ہے اس کے نتیجے میں سگریٹ نوشی کا عادی معاشرے کا ناسور بن کر رہ جاتا ہے جبکہ اسلامی شریعت کا عام قاعدہ یہ ہے کہ مسلمان کے لیے کسی ایسی چیز کا استعمال کرنا ہرگز جائز نہیں، جو اسے ہلاکت کے گڑھے میں پہنچا دے۔ کیونکہ ایک مسلمان کی تحویل میں صرف اس کا نفس ہی نہیں ہوتا، بلکہ اس کا دین، اس کی ملت، اس کی زندگی، اس کی صحت، اس کا مال اور اللہ تعالیٰ کی



دی ہوئی ساری نعمتیں، اس کے پاس امانت ہوتی ہیں۔ لہٰذا ان کو ضائع کرنا ہرگز جائز نہیں، چنانچہ ارشاد ربانی ہے:
"وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا" (النساء: 29) یعنی "اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر بہت ہی مہربان ہے۔"

شرعی اعتبار سے سگریٹ کا استعمال قطعی درست نہیں ہے کیونکہ یہ فتورِ عقل اور مضرت صحت کا باعث ہے اور تعلیمات اسلامی کے بالکل خلاف ہے۔ کیونکہ ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ: لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ یعنی اسلام میں نہ تو نقصان اٹھانا ہے اور نہ ہی نقصان پہنچانا۔

سگریٹ نوشی گندی اور خبیث چیز ہے اس میں پیسہ خرچ کرنا سراسر اسراف ہے اور اسراف کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں، جیسا کہ ارشاد باری ہے:
"إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ" (بنی اسرائیل: 27) "یقیناً فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔"

آج کا مسلمان اسلام سے اتنا برگشتہ اور

بے بہرہ ہو چکا ہے کہ اسے اس کے صحیح و مکمل احکامات تک کی خبر نہیں ہے۔ وہ اس بات سے قطعی ناواقف ہے کہ اسلام میں کون سی چیزیں حلال اور کون کون سی چیزیں حرام قرار دی گئی ہیں۔ اسی بے اعتنائی اور لاپروائی کی وجہ سے لوگ تمباکو کا استعمال نہایت ہی بیباکی سے کرتے ہیں حالانکہ حدیث نبوی ﷺ سے صاف ظاہر ہے کہ "ہر نشہ آور چیز شراب اور ہر نشہ آور شے حرام ہے۔" لیکن حیف صد حیف کہ اس قبیح شئے کے استعمال میں مدارسِ عربیہ کے وہ طلباء بھی ملوث ہیں جو میلوں میل کا سفر کر کے کتاب و سنت کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے آتے ہیں۔

الغرض طبی، سماجی، اقتصادی، معاشی اور شرعی اعتبار سے سگریٹ نوشی اور تمباکو خوری ایک قبیح فعل ہے مگر افسوس ہمارے معاشرے کے اچھے خاصے تعلیم یافتہ حضرات اور رہنمائے قوم علماء کا ایک بہت بڑا طبقہ بھی اس سے گریز نہیں کرتا بلکہ منہ میں پان، تمباکو دبائے ہوئے دینی اور اصلاحی اسٹیج تک چلے آتے ہیں۔ بھلا ایسے افراد کی باتوں میں کیا اثر رہے گا جن کی زبان سے نکلا ہوا ہر جملہ تمباکو کے زہر اور سگریٹ کی بو میں ڈوبا ہو۔

چنانچہ اگر ہم اس مہلک شئے کے استعمال سے گریز اور قبیح فعل سے باز نہیں آئیں گے تو ایسی خطرناک اور مہلک بیماریاں جنم لیں گی جس کا شکار سب سے پہلے اس کے استعمال کرنے والے ہوں گے، اس کے بعد دیگر افراد۔ لہٰذا ایسی صورت میں ہم پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ہر ممکن طریقے سے سگریٹ نوشی کے نقصانات کو اُجاگر کریں۔ عام افراد خصوصاً نوجوانوں میں شعور و آگہی پیدا کریں تاکہ اس وبا کو ہمیشہ کے لیے جڑ سے اکھاڑ پھینکا جاسکے۔



گوشت دھیان سے

حکیم محمد مسیح الدین صدیقی۔ ناگپور

کچھ عرصہ قبل ہانگ کانگ کی حکومت نے اعلان کیا تھا کہ پُراسرار فلو کو پھیلنے سے روکنے کے لیے علاقے کی تمام مرغیوں کو ختم کر دیا جائے۔ اس فلو سے اس وقت تک 3 افراد کی موت ہو چکی تھی۔ تقریباً 12 لاکھ مرغیوں کو ختم کرنے کا کام حکومت نے انجام دیا۔ یہ اطلاع اقتصادی امور کے سکریٹری آئی پی اسٹیفن نے ایک اخباری کانفرنس میں دی تھی۔

ہانگ کانگ حکومت نے مرغیوں کے خاتمے کی یہ کارروائی کرنے کا فیصلہ اس لیے کیا تھا کیونکہ محکمۂ صحت کے حکام نے اعلان کیا تھا کہ مرغیوں کے فارم اور ہانگ کانگ کے سب سے بڑے انڈا و مرغی بازار کا ایک حصہ بیماری سے متاثر ہو گئے ہیں۔ اور فارم کی مرغیوں میں فلو کے وائرس پائے گئے ہیں۔

ہانگ کانگ میں پُراسرار فلو سے صرف تین آدمیوں کے مرنے پر وہاں کے محکمۂ صحت نے فلو کے وائرس کا فی الفور پتہ چلایا اور یہ معلوم ہو جانے پر کہ مرغی فارم و انڈا و مرغی مارکیٹ میں یہ وائرس موجود ہیں، بارہ لاکھ مرغیوں کو ٹھکانے لگانے کا فیصلہ کر لیا۔

ہمارے ملک کے محکمۂ صحت کو بھی اس جانب سنجیدگی سے توجہ دینی چاہئے جبکہ ملک کے مختلف گوشوں سے نہ صرف پُراسرار فلو بلکہ اور بھی دوسری مہلک و پُراسرار بیماریوں کے پھیلنے کی اطلاعات آتی رہتی ہیں جس میں درجنوں لوگ موت کے منھ میں پہنچ جاتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود بیماری کے اسباب کا پتہ چلانے اور اسے ختم کرنے کے لیے کوئی ٹھوس قدم نہیں اٹھایا جاتا۔ جبکہ تحقیق سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ کینسر جیسی خطرناک بیماریوں کے جراثیم و وائرس پولٹری فارم کی مرغیوں میں پائے جاتے ہیں۔ ان میں ایسے جراثیم اور وائرس بھی ہوتے ہیں جو برص و جذام پیدا کرنے کا سبب بنتے اور خاص کر انسانی جگر و طحال کو شدید نقصان پہنچاتے ہیں۔ انڈا مرغی مارکیٹ اور ذبیحہ خانوں میں بھی مختلف بیماریوں کے وائرس پائے جاتے ہیں۔

ایک طرف انڈا مرغی کے صنعتی ادارے اخبارات و ٹی وی کے ذریعہ یہ دلکش نعرہ لگاتے ہیں کہ "سنڈے ہو یا منڈے، روز کھاؤ انڈے"۔ لیکن دوسری طرف طبی و تحقیقی ادارے عوام کو خبردار کرتے ہیں کہ "آپ انڈا نہیں کھاتے، بلکہ انڈا آپ کو کھاتا ہے"۔

ابھی پچھلے دنوں ایک تحقیقی ادارے نے یہ خبر شائع کی تھی کہ پولٹری فارم کی مرغیوں میں کینسر و دیگر مہلک امراض کے جراثیم پائے گئے۔ پولٹری فارم کے انڈے برص و جذام کا سبب ہوتے ہیں۔ لہٰذا عوام ان کے اندھا دھند استعمال سے بچیں۔

ایک طرف انڈا مرغی کے صنعتی ادارے اخبارات و ٹی وی کے ذریعہ یہ دلکش نعرہ لگاتے ہیں کہ "سنڈے ہو یا منڈے، روز کھاؤ انڈے"۔ لیکن دوسری طرف طبی و تحقیقی ادارے عوام کو خبردار کرتے ہیں کہ "آپ انڈا نہیں کھاتے، بلکہ انڈا آپ کو کھاتا ہے"۔

ایسے میں محکمۂ صحت کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ



وہ انڈا مرغی مارکیٹوں اور مرغی فارموں پر کڑی نگاہ رکھے، انھیں سخت ہدایات جاری کرے اور موقع بہ موقع ان کا معائنہ کرکے پتہ لگائے کہ ان میں کہیں کسی بیماری کے جراثیم تو نہیں پائے جاتے ہیں؟ اگر کہیں اس طرح کے جراثیم کی موجودگی کا پتہ چلے تو متاثرہ مرغیوں کو بلا تکلّف ختم کر دینے کے اقدامات کرے۔ اس کے علاوہ ذبیحہ خانوں اور مٹن مارکیٹوں کی بھی نگرانی ہونی چاہئے تاکہ بیمار و نیم مردہ جانور ذبح یا فروخت نہ کیا جائے۔

حکومت و محکمۂ صحت کے علاوہ خود عوام الناس میں بھی شعور و بیداری آنی ضروری ہے۔ انھیں انڈا مرغی یا بکری و بھینس کے گوشت کے استعمال سے پہلے اچھی طرح اطمینان کرلینا چاہئے کہ وہ تر و تازہ، صحت مند اور جراثیم و بیماریوں سے پاک ہے بھی یا نہیں؟ خاص کر مسلم معاشرے میں گوشت خوری کا رواج عام ہے۔ انھیں زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔

بلاشبہ اسلام نے حلال جانوروں کے گوشت کے استعمال کی اجازت دی ہے۔ لیکن ساتھ ہی قرآن اس کے لیے لَحْمًا طَرِيًّا (نحل : 15) "تر و تازہ گوشت" کی شرط لگاتا ہے۔ سورۃ مائدہ اور سورۃ حج میں بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ یعنی "چرنے و جگالی کرنے والے چوپائے جو پوری طرح توانا و صحت مند اور بیماری کے جراثیم سے پاک ہوں" کی شرط لگائی ہے۔ ساتھ ہی لحم الخنزیر (مائدہ 4) یعنی "گلے سڑے بیمار گوشت" کو مطلقاً حرام قرار دیا گیا ہے۔ تاکہ مسلمان اس کے قریب بھی نہ جائیں۔



انجیر: انسانی افادیت کا پہلا درخت

عبدالودود انصاری - آسنسول

آج بھی انسان "تندرستی ہزار نعمت ہے" کی روشنی میں اپنی زندگی گزارنے کی کوشش کر رہا ہے۔ مگر جب تندرستی کے اصولوں سے انحراف کرتا ہے تو پھر وہ مختلف بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ایسی حالت میں اس کی نظر ڈاکٹر کی جانب جاتی ہے ڈاکٹر دوائیاں تجویز کرتا ہے مریض اس کو استعمال کر کے صحت یاب بھی ہوتا ہے۔ اگر ڈاکٹر کی تجویز کردہ کوئی دوا نہ ملے تو پھر دیکھئے کہ مریض کو اس دوا کے لیے نہ جانے کتنی دکانوں کے چکر لگانے پڑتے ہیں۔ اگر علاقے میں دستیاب نہ ہو تو دور دراز جگہوں سے بھی منگوانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یقیناً ایسا اس لیے ہوتا ہے کہ انسان مرض سے نجات پانے کے لیے دوا پر زیادہ یقین رکھتا ہے۔ حیرت ہے کہ مسلمان جس نبیؐ کے ماننے والے ہیں، انھوں نے بہت ساری قدرتی اشیاء کی خصوصیات ایسی بتائی ہیں جن کے استعمال سے انسان بھرپور مستفیض ہو سکتا ہے مگر دنیا کے انسانوں اور خاص کر مسلمانوں کی شومئی قسمت کہئے کہ اس طرف ان کا دھیان بھی نہیں جاتا، ورنہ ہر مرض کی دوا "صل علیٰ محمدؐ"۔ آپ دیکھیں کہ انسان جتنا کولگیٹ اور دیگر ٹوتھ پیسٹ پر یقین رکھتا ہے، اتنا مسواک پر نہیں جبکہ پیارے نبیؐ نے مسواک کے ستّر فائدے بتائے ہیں۔ دانت کی کونسی بیماری ہے جو مسواک سے دور نہیں ہوتی ہے۔ آج کتنے مسلمان اسے استعمال کرتے ہیں۔ آپ یقین جانئے کہ آج ذرائع ابلاغ نیم کی مسواک کی صحیح افادیت کو مشتہر کرنے لگیں تو پھر دیکھئے کہ کس طرح لوگ مسواک پر ٹوٹ پڑیں گے۔ یہ تو صرف ایک مثال ہوئی ورنہ سینکڑوں سے بھی زائد مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ آیئے آج اسلام اور حکمت کے نقطۂ نظر کی روشنی میں ایک پھل انجیر کی افادیت کی جانکاری حاصل کریں۔

'انجیر' ایک فارسی لفظ ہے جس کو عربی میں "تین" کہتے ہیں۔ انجیر کی انگریزی "فِگ" (FIG) ہے جبکہ اس کا سائنسی نام" فائکس کیریکا (Ficus carica) ہے۔ انجیر کا اصل وطن ایشیائے کوچک اور مشرقِ وسطیٰ ہے۔ مگر آج اس کی کاشت ترکی، یونان، اٹلی، الجیریا، اسپین، پرتگال، امریکہ، ساؤتھ افریقہ وغیرہ ممالک کے علاوہ ہندوستان اور پاکستان میں بھی خوب ہو رہی ہے۔ انجیر کی افادیت کا مسلّم ثبوت سورہ "التین" ہے۔ جس میں اللہ پاک نے اس پھل کی قسم کھائی ہے:

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ٥ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ٥ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ٥ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ٥
(التین: 4-1)

قسم ہے انجیر (کے درخت) کی اور زیتون (کے درخت) کی اور طورِ سینین کی اور اس امن والے شہر (یعنی مکہ معظمہ) کی کہ ہم نے انسان کو بہت خوبصورت سانچے میں ڈھالا ہے۔

اس پھل کا ذکر نہ صرف قرآن پاک میں ہے بلکہ توریت اور انجیل میں کم و بیش 49 بار آیا ہے۔ ایک مقام پر آیا ہے:

"..... تب درختوں نے انجیر کے درخت سے کہا کہ تو آ اور ہم پر سلطنت کر۔ پر انجیر کے درخت نے کہا کیا میں اپنی مٹھاس اور اچھے اچھے پھلوں کو چھوڑ کر درختوں پر حکمرانی کرنے جاؤں؟..." (قضاۃ 11-10-9)

مفسرین کا خیال ہے کہ روئے زمین پر انسان کے آنے کے بعد اس کی افادیت کے لیے جو سب سے پہلا درخت اُگا وہ درخت انجیر کا تھا۔ حضرت آدمؑ اور حضرت



حوّاؑ نے اپنے جسم کی ستر پوشی انجیر کے درخت کے پتّوں سے ہی کی تھی۔

حدیث شریف میں ابوالدرداءؓ نے حضور پاکؐ کا ارشاد نقل فرمایا ہے:

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کہیں سے انجیر سے بھرا ہوا تھال آیا۔ انھوں نے ہمیں فرمایا کہ 'کھاؤ'، ہم نے اس میں سے کھایا۔ پھر آپؐ نے ارشاد فرمایا" اگر کوئی کہے کہ کوئی پھل جنّت سے زمین پر آسکتا ہے، تو میں کہونگا کہ یہی وہ ہے۔ کیونکہ بلاشبہ جنت کا میوہ ہے۔ اس میں سے کھاؤ کہ یہ بواسیر کو ختم کر دیتا ہے اور گٹھیا (جوڑوں کے درد) میں بھی مفید ہے۔" (ابوبکر الجوزی)

درود پاک پڑھئے دوجہاں کے سردار حضرت محمدؐ پر، جنھوں نے دنیا میں ہی جنّت میں پائے جانے والے ایک پھل کا نام بتا دیا۔ کس مسلمان کی خواہش یہ نہ ہوگی کہ اسے شوق سے کھائے مگر وائے افسوس۔ کتنے لوگ اسے استعمال کرتے ہیں؟ آج بواسیر کے مریض سے ملئے نہ جانے کہاں کہاں اپنے مرض سے نجات حاصل کرنے کے لیے پریشان ہوتا ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ تھک ہار کر آپریشن کروالیتا ہے۔ لیکن کبھی کبھی آپریشن بھی دائمی حل ثابت نہیں ہوتا ہے۔ سنجیدگی سے سوچئے کہ کتنے لوگ بواسیر سے بچنے کے لیے حفظ ماتقدم کے طور پر انجیر کا استعمال کرتے ہیں۔ یہی حال گٹھیا کا ہے کہ بھولے سے بھی اس مرض میں اس پھل کا نام یاد نہیں رہتا ہے۔

اب انجیر کے بارے میں مزید معلومات حاصل کی جائے۔

یہ ایک ناشپاتی کی شکل کا ہوتا ہے جس کے مختلف رنگ ہوتے ہیں مثلاً ہرا، پیلا، سیاہ، نیلگوں اور

سفید وغیرہ بہت سے لوگ ناواقفیت کی بنا پر امرود کو انجیر سمجھتے ہیں۔ حالانکہ دونوں الگ الگ پھل ہیں۔ انجیر کی کاشت کا بہترین موسم گرمی کا ہے۔ یہ تمام پھلوں میں سب سے نازک پھل ہے۔ جس کی مٹھاس بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انجیر میں عجیب مٹھاس بخشی ہے۔ انجیر کے اندر دو طرح کی مٹھاس ہوتی ہے۔ ایک مٹھاس ایسی ہے جو دوسری مٹھاس کو گلا کر ختم کر دیتی ہے۔ ایسی حالت میں یہ ذیابیطس (DIABETES) کے مریض کے لیے نافع ہے۔ ساتھ ساتھ جو پھل درخت میں ہی پک جاتے ہیں اس کی مٹھاس بہت کم ہوتی ہے لہٰذا بلاخوف وخطر ذیابیطس کا مریض اسے نوش کر سکتا ہے۔ اب آیئے سلسلہ وار انجیر کی چند افادیت کو اجاگر کریں:

1۔ یہ پھل گردہ اور مثانہ سے پتھری کو حل کر کے نکال دیتا ہے۔ CALCULUS اور GALL BLADDER کے مریض خصوصی توجہ فرمائیں۔

2۔ یہ زہروں کے اثرات کو بھی زائل کرتا ہے۔

3۔ یہ حلق کی سوزش، پھیپھڑوں کی سوجن اور سینہ کے بوجھ کو دور کرتا ہے۔

4۔ یہ بلغم کو ہلکا کرتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ جگر اور تلّی کو صاف کرتا ہے۔

5۔ بخار کی حالت میں زبان اور حلق خشک ہو رہے ہوں تو اس کے استعمال سے تری محسوس ہوتی ہے۔

6۔ چھاتی پر پرانی سوزش ہو تو اس کے استعمال سے مرض جاتا رہتا ہے۔

7۔ یہ گردہ اور مثانہ کی سوزش کے لیے نافع ہے۔

8۔ انجیر نہار منھ استعمال کیا جائے تو یہ پیٹ سے ہوا نکالتا ہے۔ آنتوں کی گندگی دور ہو جاتی ہے۔

9۔ اس کے استعمال سے پرانی بلغمی کھانسی کا بلغم آسانی سے نکلتا ہے۔

10۔ یہ پرانے قبض کو دور کرتا ہے۔



11۔ یہ موٹاپا کم کرنے کی ایک بہترین دوا ہے۔
12۔ یہ برص کے داغ دھبوں کو ختم کرتا ہے۔
13۔ یہ مرگی اور فالج کے مرض کے لیے بہترین دوا ہے۔
14۔ یہ دمہ کے مرض کے لیے بہت مفید ہے۔
15۔ یہ خون کی نالیوں کی غلاظتوں کو بھی دور کرتا ہے۔
16۔ یہ بھوک بڑھاتا ہے۔
17۔ یہ حیض کے خون کی بے قاعدگی کے لیے بہت مفید ہے۔ ساتھ ساتھ عورتوں کے دودھ کو بھی بڑھاتا ہے۔
18۔ دماغی بیماریوں کے لیے بھی نافع ہے۔
19۔ یہ سینے اور پھیپھڑے کو قوت بخشتا ہے۔
20۔ یہ بدن کو موٹا کرتا ہے اور پیشاب بھی خوب لاتا ہے۔

انجیر میں اللہ تعالیٰ نے بڑے فائدے رکھے ہیں۔ انجیر سے دودھ بھی نکلتا ہے۔ اگر دانتوں میں درد ہو تو اس دودھ میں روئی بھگو کر دانتوں پر رکھنے سے درد جاتا رہتا ہے۔ چہروں کے کیل، مہاسے اور دوسرے داغ دھبّے پر دودھ ملنے سے داغ جاتے رہتے ہیں۔ انجیر کے درخت کی چھال بھی فائدے میں کچھ کم نہیں۔ اگر سر میں درد ہو تو چھال کو جلا کر راکھ بنالی جائے پھر اس راکھ کو سرکہ میں ملا کر پیشانی پر لگایا جائے تو درد سر جاتا رہتا ہے۔ تازہ انجیر کے دودھ کو مسوڑھوں (GUMS) پر لگایا جائے تو مسیں ختم ہو جاتی ہیں۔

اگر بدن کے کسی حصّہ کے زخم کو پکانا ہے تو اس کے پتّے کو کوٹ کر لگانے سے زخم پک جاتا ہے۔

یہ تھے انجیر کے مختلف فوائد۔ بہتر یہ ہے کہ جس مرض کے لیے انجیر کو استعمال کیا جائے تو پہلے کسی ماہر طبیب سے رابطہ کرکے اس کے بتائے ہوئے طریقے پر ہی استعمال کیا جائے تاکہ نتائج جلد اور تشفی بخش حاصل ہو سکیں۔

اب جدید یعنی انگریزی دواؤں پر ایک نظر ڈالیں تو آپ کو کوئی بھی ایسی دوا نہیں ملے گی جس کے اندر اتنے فائدے موجود ہوں۔ ایسی حالت میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ آج کا انسان مرض میں ہو کر فطری اشیاء کو نظر انداز کرتا ہے تو بہت حد تک اس کا ذمہ دار وہ خود بھی ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

اس کے کرم تو عام ہیں دنیا کے واسطے
میں کتنا لے سکا مقدر کی بات ہے





اللہ کی نعمت مرجان

ڈاکٹر ریحان انصاری ۔ بھیونڈی

قابل صد احترام ڈاکٹر محمد اسلم پرویز صاحب

السلام علیکم

عرصے سے سائنس کا طالب علم ہوں۔ آپ نے وقت کی ایک اہم ضرورت کو پورا کیا ہے۔ اللہ آپ کو جزائے خیر عطا کرے اور آپ کے رفقائے کار کو بھی، جو ایک بہت بڑی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ اسے بلاشبہ آندھیوں میں چراغ جلائے رکھنا کہا جائے گا۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ خاموش پانی میں کشتی کھینا کوئی فنکاری نہیں ہے۔ بلکہ تلاطم اور موجوں سے لڑتے ہوئے آگے بڑھنے میں زندگی کا مقصد اور لطف دونوں ملتا ہے۔ اللہ کرے ہماری ملتِ اسلامیہ کو آپ کی کوششوں سے لگاؤ پیدا ہو جائے اور یہ بامقصد پرچہ ہر گھر میں پہنچنے لگے۔ ہمارے شہر بھیونڈی میں یہ پرچہ دستیاب نہیں تھا۔ ایک یا دو ہائی اسکولوں کی لائبریری میں دیکھنے کو ملا تھا۔ اسے دیکھنے کے بعد اشتیاق بڑھا اور ہم نے شہر کے مکتبہ اسلامی، تھانہ روڈ کے عبدالعزیز صاحب جو جماعت اسلامی اور دیگر مکاتیب کی کتابیں اور پرچے فروخت اور تقسیم کرتے ہیں اور کافی برسوں سے وہ اس کام میں مصروف ہیں، ان سے درخواست کی تو مکتبہ جامعہ ممبئی سے چند پرچے لانا شروع کیا۔ ماشاء اللہ دو پرچوں سے شروعات اب دس پرچوں تک پہنچ گئی ہے، محض چھ یا سات مہینوں میں۔ اس لیے چاہتا ہوں کہ آپ کی توجہ اس جانب ہو تو ہمارے شہر میں انشاء اللہ معاونین بھی زیادہ مل جائیں گے۔ یہ میری ناچیز خواہش ہے۔

ماہ اگست کے "سائنس" میں اعلان پڑھا کہ نومبر 1998ء کا شمارہ 'قرآن اور سائنس' نمبر ہوگا۔ اس ضمن میں ایک مضمون ارسال خدمت ہے۔ اگر کسی قابل سمجھیں تو خصوصی شمارہ میں شامل فرمائیں۔

مخلص واحقر العباد

محمد ریحان انصاری

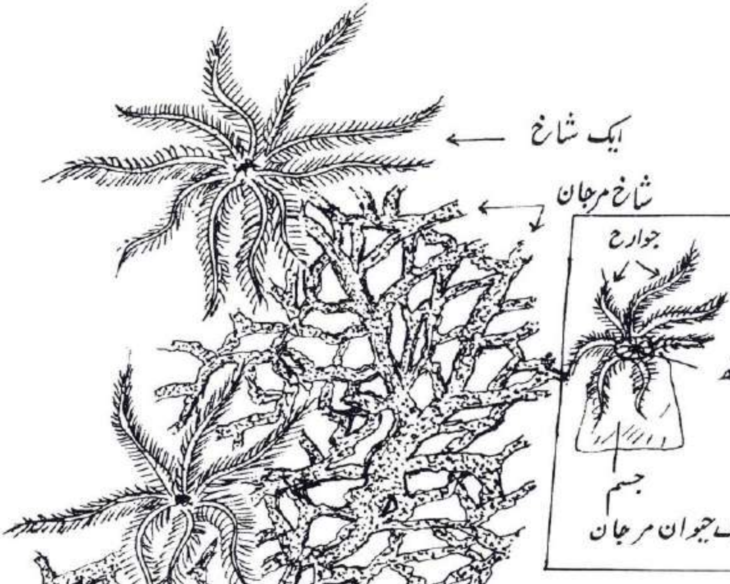
اللہ تعالیٰ نے سورۃ "رحمٰن" میں اپنی نعمتوں کا بیان کرتے ہوئے "مرجان" کا تذکرہ بھی فرمایا ہے۔ بیشک یہ حضرت انسان کو اللہ کی ایک نادر عطا ہے۔ مرجان کا فارسی مترادف "بُسَّد" ہے اور انگریزی میں (CORAL) کہا جاتا ہے۔

مرجان مختلف قلبی اور روحانی و نفسانی امراض کے لیے نیز بعض اعضاء کے بگڑے افعال کی درستی نیز عمومی قویٰ کی اصلاح کے لیے طبی دنیا میں صدیوں سے مقبول ہے۔ اس کے مخصوص دوائی فوائد پر آج بھی ایک عالم اعتبار کرتا ہے۔ لیکن جدید طب کے بعض دعویداروں نے اس کی پوری ماہیت کو محض کیلشیم کا ڈھیر ثابت کر رکھا تھا۔ آج جدید تحقیقات سے مرجان کے جو خواص سامنے آر ہے ہیں وہ ایسے تنگ نظروں کو یقیناً بغلیں جھانکنے پر مجبور کر دیں گے۔ بیشک مرجان کی

ترکیب میں بڑا حصہ کیلشیم کاربونیٹ ($CaCO_3$) کا ہے لیکن تحقیقات کے بعد اس کے مخصوص افعال کیلشیم کاربونیٹ سے زیادہ انتہائی قلیل مقدار میں پائے جانے والے دوسرے معدنیات اور عناصر سے منسوب ہوتے جا رہے ہیں۔

تعارف:

سمندر کی گہرائیوں میں پائی جانے والی اور ایک کثیر رقبے پر پھیلی ہوئی یہ کالونی صرف ایک سمندری حیوان کا گھر ہی نہیں ہے بلکہ اس کی ساختوں میں صدیوں بلکہ ہزاروں اور لاکھوں برسوں کی داستان رقم ہوتی ہے۔ بغیر ریڑھ والے یہ سمندری حیوان کثیر پائے (POLYP) کہلاتے ہیں جو ایک دیگر حیوان سمندری پھول (SEA-ANEMONE) سے مشابہ ہوتے ہیں کثیر پایہ کے جوارح (TENTACLES) جیلی کی طرح نرم و نازک ہوتے ہیں۔ اسی لیے یہ اپنے اوپر ایک حفاظتی خول تیار کرتے جاتے ہیں۔ حیواناتِ مرجان پہلے کسی چٹان پر اپنے آپ کو چپاں کر لیتے ہیں۔ پھر ان میں تولید کا عمل شروع ہوتا ہے جو کسی کلی (BUD) یا شاخ کے پھوٹنے سے مماثل ہوتا ہے۔ حیواناتِ مرجان اپنے پورے دورِ حیات میں ایک ہی ہی جگہ قائم رہتے ہیں۔ پرانے حیوانات اپنی مدت حیات پوری کر کے ختم ہو جاتے ہیں مگر کلی در کلی تولید کا عمل جاری و ساری رہتا ہے اور بیشمار حیواناتِ مرجان مل کر ایک کالونی تیار کر لیتے ہیں۔ یہ کالونی کوئی پیچیدہ شاخِ شجر کی ترکیب معلوم ہوتی ہے جس میں بیشمار شاخیں پھوٹتی ہیں اور باہم ملتی دکھائی دیتی ہیں۔ انھیں شاخ مرجان کہتے ہیں۔ جبکہ یہ شاخیں ایک موٹے مرکزی حصے سے جڑی رہتی ہیں جسے بیخ مرجان کہتے ہیں۔ مرجان کی مکمل ساخت سوراخ دار ہوتی ہے۔



مرجان



ان سوراخوں میں حیوانات مرجان (POLYP) رہ کر افزائش نسل کے امر کی تکمیل کرتے ہیں۔ بعض اوقات مرجان کی کالونی اتنی وسیع ہوتی ہے کہ یہ سمندر کی گہرائیوں سے لے کر سطح سمندر تک بھر جاتے ہیں اور اکثر جزیرے کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ انھیں جزائر مرجان (CORAL ISLAND) کہتے ہیں۔ سائنسدانوں کے اندازے کے مطابق پورے کرۂ زمین پر مرجان کے ذریعہ گھِرا گیا رقبہ تقریباً دو ملین مربع کلومیٹر (20 لاکھ مربع کلومیٹر) ہے اور ان کے اندر صرف حیوانات مرجان ہی نہیں بلکہ تقریباً 25 فی صد دیگر سمندری مخلوقات بھی پناہ گزیں ہو جاتی ہیں۔

خصوصیات :

مرجان کی چند اقسام ایسی بھی ہیں جو مختلف زمانوں میں سمندری پانی میں ہونے والی کیمیائی تبدیلیوں کی ڈائری ثابت ہوتے ہیں۔ سمندری پانی کے مشمولات میں موسمی یا سالانہ طور پر واقع ہونے والی تبدیلیوں کا ریکارڈ ان کی ساخت میں محفوظ ہو جاتا ہے۔ ان میں مختلف ادوار میں بننے والے متفرق ہم جا (ISOTOPES) آئنی متبدلات (IONIC SUBSTITUTION) اور مختلف پیچیدہ مرکبات (COMPLEXATIONS) کی موجودگی نظر آتی ہے۔

چونکہ مرجان سمندری پانی اور ماحول میں واقع ہونے والی تبدیلیوں کے باوجود اپنی جگہ سے ٹلتے نہیں بلکہ وہیں جمے رہتے ہیں اس لیے ان کی حیثیت قرنی دستاویز (DOCUMENT OF AGES) کی ہے۔ بعض مرجان جو بہت موٹے ہوتے ہیں، ان کی عرضی تراش میں پیڑ کے تنوں کی طرح گول گول گھیرے (RING) دکھائی دیتے ہیں۔ ان کا X-RAY کے ذریعہ مطالعہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ ان گھیروں یا پٹوں کی کثافت میں باہم بہت فرق ہے۔ اور یہ گھیرے، موسمی روشنی اور ماحولی حرارت کی تبدیلیوں کے نتیجے میں بنتے ہیں۔ کیونکہ یہی وہ عوامل ہیں جو مرجان میں جمع ہونے والے کیلشیم کاربونیٹ کی ترکیب پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ مرجان کی بعض قسمیں سیکڑوں سال پرانی ہوتی ہیں۔

دنیا بھر کے سائنسداں گزشتہ 25 برسوں سے مرجان کی کیمیائی تجزیہ کاری میں مصروف ہیں اور اب اس موضوع پر متعدد کتابیں اور دستاویزات مہیا ہیں کہ جن میں مرجان کے اندر پائے جانے والے مستحکم ہم جا (STABLE ISOTOPES) یا تابکار ہم جا (RADIO ISOTOPES) اور دیگر معدنیات و عناصر کا ثبوت اکٹھا ہو گیا ہے۔ مثال کے طور پر سمندری پانی میں غذائیت کا تناسب کس دور میں کتنا تھا، یہ مرجان میں موجود کیڈمی ام (Cd) اور بیری ام (Ba) کے بالترتیب نائٹریٹ اور فاسفیٹ کی مقدار اور تناسب سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح تحقیقات کے بعد مرجان میں دیگر عناصر جیسے اسٹرا مونی ام (Sr) یورینی ام (U) تانبہ (Cu) جست (Zn) میگنیشی ام (Mg) سیسہ (Pb) اور انتہائی معمولی مقدار میں کچھ دیگر تابکار عناصر کی موجودگی کے شواہد بھی جمع ہو چکے ہیں۔ مرجان میں ان عناصر کی دریافت کے علاوہ ایک اہم ترین خصوصیت یہ علم میں آئی ہے کہ یہ پیلیو تھرمامیٹر (PALAEOTHERMOMETER) کا کام بھی انجام دیتے ہیں۔ ("PALAEO" بمعنی قدیم)۔ یعنی ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ ان کی پیدائش کے وقت سمندر کے ساحلی پانی کا درجۂ حرارت کیا رہا ہوگا۔ نئی تحقیقات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ پیلیو تھرمامیٹر 0.2°C کی حدود فرق میں بالکل صحیح درجۂ حرارت بتلاتے ہیں۔

1984ء میں شمالی کوئینس لینڈ میں واقع آسٹریلین انسٹی ٹیوٹ آف میرین سائنسز کے پیٹر آئی ڈیل (PETER ISDALE) نے اسی طرح سمندری ماحولیات کے مطالعہ کے لیے مرجان کی صلاحیتوں کو اجاگر کیا۔ اس کی تحقیقات کے مطابق مخصوص قسم کے مرجان کا جب ماورائے بنفشی (ULTRAVIOLET) روشنی میں مطالعہ کیا جاتا ہے تو

(باقی صفحہ 48 پر)



انرجی ایک ہے

نعمت اللہ غوری
(میکانیکل انجینئر) حیدرآباد

نوٹ : قارئین سے گزارش ہے کہ آخری جملہ پڑھنے تک کوئی حتمی رائے قائم نہ کریں۔

جس طرح ہم مسلمانوں کا ایمان ہے کہ اللہ ایک ہے اور اس کی ذات کے سوا کوئی معبود نہیں، ٹھیک اسی طرح سائنس کی دنیا میں آج تمام سائنس داں یہ مانتے ہیں کہ انرجی ایک ہے اور انرجی کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ البرٹ آئن سٹائن نے یہ ثابت کیا کہ انرجی اور مادّہ ایک دوسرے میں قابل تبدیل ہیں یعنی ہر چیز انرجی سے بنی ہے۔ البرٹ آئن اسٹائن سے پہلے سائنسداں تین چیزوں کو مانتے تھے (1) مادّہ (2) انرجی اور (3) خلاء جہاں کچھ بھی نہیں۔ لیکن آئن اسٹائن نے جب کہا کہ انرجی مادّہ بن سکتی ہے اور مادّہ فنا ہو کر انرجی میں شامل ہو جاتا ہے۔ اور خلاء بھی خالی نہیں ہے بلکہ خلاء میں نور انرجی اور انرجی کی دوسری شعاع خلاء میں ہیں۔ تو اس طرح مادّہ اور خلاء ختم ہو کر صرف انرجی کی ذات باقی رہتی ہے۔ یعنی انرجی ایک ہے۔ یہ نظریہ صدیوں پرانا نہیں ہے بلکہ اس صدی کی سب سے بڑی کامیابی ہے کیونکہ البرٹ آئن اسٹائن کا انتقال 1955ء میں ہوا ہے۔

جی ڈی رائے اپنی کتاب "NON Conventional Energy Sources" کے پہلے صفحہ پر لکھتے ہیں: Every thing what happens in the world is the expression of flow of Energy in One of its Forms یعنی دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے، وہ انرجی کا ایک روپ سے دوسرے روپ میں تبدیل ہونے کا نام ہے۔ جبکہ انرجی کی مقدار تبدیلی سے پہلے جتنی تھی، تبدیلی کے بعد بھی اتنی ہی رہتی ہے۔ اس لیے کہتے ہیں انرجی کو نہ تو پیدا کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی فنا کیا جا سکتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انرجی کے کتنے روپ ہیں۔ اب تک کی کتابوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انرجی کے کئی روپ ہیں مثلاً انرجی نور ہے، انرجی حرارت ہے، الیکٹریکل انرجی ہے، میکانیکل انرجی ہے، کیمیکل انرجی ہے، یعنی تمام کیمیائی مادّے انرجی سے بنے ہیں۔ اور بایولوجیکل انرجی ہے جس میں انسان، چرند و پرند اور نباتات شامل ہیں۔ انرجی کے تمام روپ ایک دوسرے میں قابل تبدیل ہیں، جبکہ انرجی ہمیشہ باقی رہنے والی (Ever - Lasting) اور دائمی (Eternal) ہے۔ سائنسداں صرف یہ مانتے ہیں کہ انرجی خود سے اپنا وجود رکھتی ہے اور ہر وقت ایک روپ سے دوسرے روپ میں تبدیل ہوتی رہتی ہے انرجی لامحدود ہے، ساری کائنات کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور ہر جگہ ہے۔

سورج سے مسلسل نور انرجی اور حرارت انرجی خارج ہو رہی ہے اور اس کا کچھ حصہ ہماری زمین تک پہنچ رہا ہے جس سے اس زمین پر زندگی ہے۔ سورج کا مادّہ جل کر نور انرجی اور حرارت انرجی اور دوسری شعاع میں تبدیل ہو رہا ہے جبکہ سورج ایک عام سیارہ ہے۔ سورج کے جیسے لاکھوں ستارے اس کائنات میں بکھرے ہوئے ہیں جو جلتے اور بجھتے رہتے ہیں جن سے نور انرجی نکل کر ساری کائنات میں پھیلی ہوئی ہے اور زمین تک بھی ان کی روشنی پہنچتی ہے۔ تمام ستارے، سیارے اور سیارچے انرجی ہی کی اشکال ہیں سب ایک دوسرے سے نور انرجی سے جڑے ہوئے ہیں۔ اور ساری وسعت انرجی ہی سے ہے۔

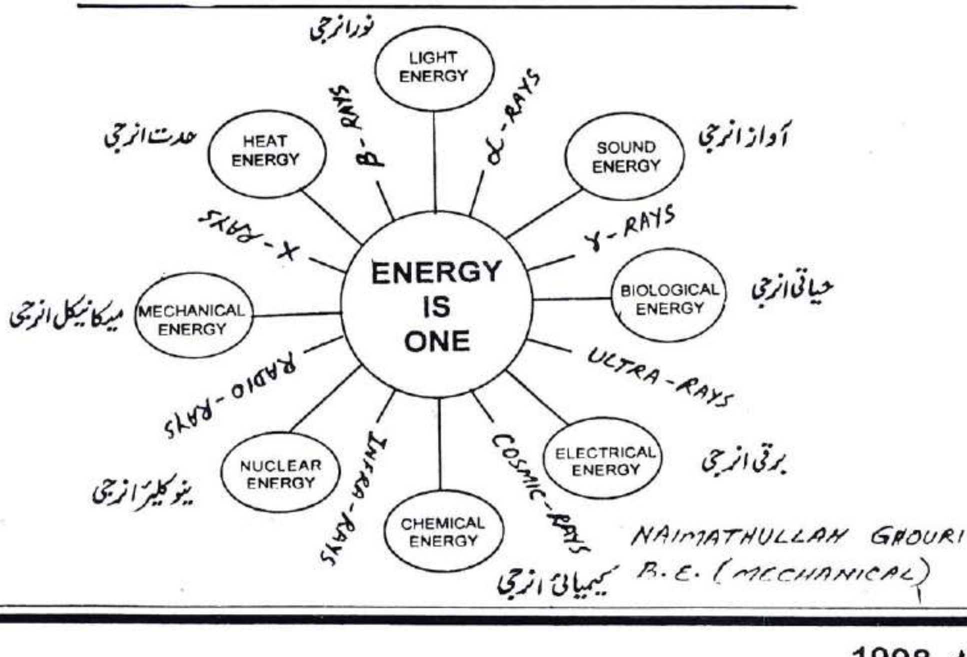


ہوا جو ہماری ساری زمین کو گھیرے ہوئے ہے، خود سے حرکت نہیں کر سکتی ہے بلکہ ہوا کو میکانیکل انرجی ڈھکیلتی ہے اور ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچاتی ہے۔ ہوا میں جو ذرّات اور بادل وغیرہ ہیں، انھیں بھی میکانیکل انرجی ایک جگہ سے دوسری جگہ تک پہنچاتی ہے۔ ہوا میں پرندے اور ہوائی جہاز کو بھی میکانیکل انرجی ہی تھامے رکھتی ہے اور وہ انرجی ہی سے پرواز کرتے ہیں۔ آندھی، طوفان سب میکانیکل انرجی ہی کے سبب ہوتے ہیں۔ ہوا کی میکانیکل انرجی کو پن چکی سے الیکٹریکل انرجی میں تبدیل کیا جاتا ہے۔

پانی کا برسنا یعنی بارش کا ہونا بھی انرجی کی بدولت ہے کیونکہ حرارت انرجی ہی سمندر کے پانی کو بخارات میں تبدیل کر کے ہوا میں لے جاتی ہے اور انرجی کے عمل سے ہی بادل بنتے ہیں۔ بادلوں کو میکانیکل انرجی ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچاتی ہے۔ اس طرح بارش کا سارا نظام انرجی کے مختلف روپ اور درجات کا نتیجہ ہے۔ بادلوں کے ٹکرانے سے نور انرجی اور آواز انرجی نکلتی ہے۔ جسے ہم بجلی کڑکنا کہتے ہیں۔ سمندر کی لہریں اور مد و جزر بھی میکانیکل انرجی سے ہوتے ہیں جسے آجکل ٹربائن کی مدد سے الیکٹریکل انرجی میں تبدیل کیا جا رہا ہے۔ سمندر میں بڑے بڑے جہاز اور مچھلیاں سب میکانیکل انرجی سے حرکت کرتے ہیں اور ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچتے ہیں۔

غذا بھی انرجی کی ایک شکل ہے۔ پودوں یا درختوں کا نشو و نما نور انرجی اور حرارت انرجی ہی کرتی ہے اور انرجی کے عمل سے پھل، پھول اور اناج بنتے ہیں۔ یعنی انرجی کی مختلف اقسام بایولوجیکل انرجی میں تبدیل ہوتی ہیں اور جب کسی جاندار کے پیٹ میں داخل ہوتی ہے تو وہ حرارت انرجی، آواز انرجی، الیکٹریکل انرجی اور میکانیکل انرجی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

تمام مشینیں اور انجن انرجی سے چلتے ہیں مثلاً ہم ایک کار کو لیں، اس میں پیٹرول یا ڈیزل جو کیمیکل انرجی ہے انجن میں جلتا ہے تو حرارت انرجی میں تبدیل ہوتا ہے اور





حرارت انرجی، میکانیکل انرجی میں تبدیل ہوکر حرکت دیتی ہے۔
پھر ہم میکانیکل انرجی کو ڈائنمو سے الیکٹریکل انرجی میں تبدیل کرتے ہیں اور الیکٹریکل انرجی کو نور انرجی اور آواز انرجی میں بھی تبدیل کرتے ہیں۔ اس طرح ہر کام انرجی سے ہی ہوتا ہے۔ ہمارے گھروں میں جو اشیاء ہیں مثلاً واشنگ مشین، ریفریجریٹر، کمپیوٹر، ٹیلی فون، گھڑیاں، پمپ پنکھے، ڈرائیر، ڈش واشر، واٹر ہیٹر، ایر کولرس، واکیوم، مشین، ویڈیو، ٹی وی، بلب، سٹوو، گرائنڈر تمام چیزیں الیکٹریکل انرجی سے کام کرتی ہیں اور الیکٹریکل انرجی کو میکانیکل انرجی، نور انرجی، آواز انرجی اور حرارت انرجی میں تبدیل کرتی ہیں۔ یعنی انرجی سے بنی ہوئی چیزیں انرجی ہی سے کام کرتی ہیں اور اسے دوسرے روپ میں تبدیل کرتی ہیں۔

انسان کو آنکھیں ہیں تو انرجی نور ہے اور تمام رنگ نور انرجی کے ہیں۔ انسان کے کان ہیں تو انرجی آواز ہے۔ نور انرجی اور آواز انرجی ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں کیا کیا ہے اور کیا ہو رہا ہے۔ انسان کے جسم سے حرارت انرجی مسلسل خارج ہوتی رہتی ہے۔ انسان کے ہاتھ پیر ہیں تو میکانیکل انرجی ہے۔ ہر حرکت میکانیکل انرجی سے ہوتی ہے۔ کاٹنا، موڑنا، کھینچنا، دبانا، گھمانا، اٹھانا، گرانا، رگڑنا، توڑنا، ڈھکیلنا، مارنا اور پکڑنا سب میکانیکل انرجی سے ہے۔ عمل اور ردعمل انرجی سے ہے۔ انسان کے منھ سے آواز نکلتی ہے۔ انسان کے پیٹ بایولوجیکل انرجی کا کرشمہ ہے یعنی گوشت، ترکاری، میوہ، دودھ، انڈے، اور اناج کی شکل میں۔ جو انرجی وہ پیٹ میں جاکر حرارت انرجی، میکانیکل انرجی، الیکٹریکل انرجی اور آواز انرجی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ انسان کا دماغ الیکٹریکل انرجی سے کام کرتا ہے۔ یعنی تمام خیالات انرجی کی بدولت ہیں۔ انسان کے دل، پھیپھڑے اور دوسرے اعضاء میکانیکل انرجی سے کام کرتے ہیں۔ تمام انسانی اعضاء انرجی ہی سے نشوونما پاتے ہیں۔ الغرض انرجی کے تمام روپ انسانی ضروریات اور بقاء کے مطابق ہیں۔

جب ہم سائنس کا بغور مطالعہ کرتے ہیں تو ایسی باتیں سامنے آتی ہیں کہ کوئی بھی چیز غیر ضروری یا بے مقصد نہیں ہے۔ ہر چیز حسابی طریقہ سے بنی ہوئی ہے اور اصولوں، ضابطوں کے تحت ترتیب وار ہی تمام واقعات پیش آتے ہیں۔ کوئی بھی کام بے ہنگم انداز سے سامنے نہیں آتا ہے۔ یہ زمین آسمان، چاند ستارے، انسان، چرند، پرند، پیڑ پودے اور تمام چیزیں ایک منصوبہ بند طریقہ کا مظہر ہیں۔ جس کا ایک ماسٹر پلان ہے اور اس ماسٹر پلان کا بنانے والا کوئی تو ہے جسے ہم مسلمان "اللہ" کہتے ہیں۔

بہرحال مسلم سائنسدانوں، طالب علموں اور اساتذہ کے لیے انرجی قابل غور ہے اور بیشک ہم سب اللہ ہی کے لیے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ جائیں گے۔

میراث

اسلام "ایک قصۂ ماضی" کیوں؟

ڈاکٹر اقتدار فاروقی

اُردو کے معروف شاعر اکبر الٰہ آبادی نے اپنے ایک خیالی عشق کو نظم کرتے ہوئے طنزیہ طور پر اسلام کو "ایک قصۂ ماضی" سے تعبیر کیا ہے۔ عشق کا حال بتاتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ ایک یورپی حسینہ سے ان کی ملاقات ہوئی اور وہ اس کی شوخی و نزاکت پر نثار ہو گئے۔ چنانچہ انھوں نے اظہار عشق کر ڈالا اور چاہا کہ "عہد وفا باندھ" وہ ان کی ہو جائے۔ لیکن حیف کہ جواب میں حسینہ نے صاف صاف کہہ دیا کہ "غیر ممکن ہے مجھے اُنس مسلمانوں سے"، کیونکہ "لن ترانی کے یہ لیتے ہیں نمازی بن کر حملے سرحد پہ کیا کرتے ہیں غازی بن کر" اور یہ بھی کہا کہ "ہے ہنوز ان کی رگوں اثر حکم جہاد"۔ حسینہ کا جواب سُن کر اکبر پریشان ہوئے اور اسے رجھانے کے لیے ایک سچی بات کہہ ڈالی کہ:

"ہم میں باقی نہیں اب خالدِ جانباز کا رنگ
ہم پہ غالب ہے فقط حافظ شیراز کا رنگ"

اور پھر بتایا کہ

یاں نہ وہ نعرۂ تکبیر نہ وہ جوشِ سپاہ
سب کے سب آپ ہی پڑھتے ہیں سبحان اللہ

صاف گوئی کا سہارا لے کر زور دیتے ہوئے یہ اعلان بھی کیا کہ "میرے اسلام کو ایک قصۂ ماضی سمجھو"، لہذا "ہنس کے وہ بولی کہ تو پھر مجھ کو راضی سمجھو"۔

طنزیہ طور پر اسلام کو "قصۂ ماضی" کہنے کا مدعا اصل میں اسلامی معاشرہ کے زوال کی عکاسی کرنا تھا، نہ کہ دین اسلام کو ماضی کا بھولا ہوا مذہب بتانا۔ سچ تو یہ ہے کہ دین اسلام اکبر الٰہ آبادی کے زمانہ میں اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ "قصۂ حال" تھا اور آج بھی ہے۔ لیکن جہاں تک اسلامی علم، اسلامی فکر، اسلامی فلسفہ، اسلامی سائنس، اسلامی ٹیکنالوجی، اسلامی معیشت اور معاشرہ کا سوال ہے تو وہ اکبر کے زمانے میں تو کیا اس سے دو سو سال پہلے ہی "قصۂ ماضی" بن چکا تھا۔ اسی لیے اقبال نے مسلمانوں کی تعریف اس طرح کی تھی:

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

اس شعر میں بھی اس مسلمان کو راکھ کا ڈھیر کہا گیا ہے جو اپنی علمی وراثت کھو چکا تھا اور طلب علم کی آگ اس کے سینہ میں ایک ہزار سال جلتی رہنے کے بعد بجھ چکی تھی۔ تسخیر دنیا کے لیے وہ قرآنی احکامات بھلا چکا تھا

> آج ہم میں کوئی زکریا رازی کیوں نہیں ملتا۔ ابو کامل کیوں پیدا نہیں ہوتا۔ جابر بن حیان کہاں ہے۔ خوارزمی کا کیا پتہ ہے۔ بوعلی سینا کیوں نظر نہیں آتے۔ البیرونی، البغدادی، الفارابی، الغزالی، الکندی کدھر ہیں۔ ابن رشد، ابن زہر، ابن خلدون، ابن ہیثم، ابن نفیس تاریکی میں گم کیوں ہیں۔ اسلامی دنیا ان ہستیوں کی وراثت سے کیوں محروم ہے۔ کیا یہی محرومی اسلامی زوال کی ذمہ دار تو نہیں۔ کیا ان کی عدم موجودگی "اسلام ایک قصۂ ماضی" کی مترادف تو نہیں۔

چنانچہ اقبالؔ نے ایسے مسلمانوں کو اس طرح خطاب کیا تھا:

وہ معزز تھے زمانہ میں مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

اسلامی معاشرہ کو "قصۂ ماضی" ثابت کرنا کوئی مشکل کام ہرگز نہیں ہے۔ عہدِ وسطیٰ کی اسلامی تاریخ پر نظر ڈالیے اور اس دور کے معاشرے کا مقابلہ آج کے اسلامی معاشرے سے کیجیے تو ان دونوں میں فرق اتنا نمایاں اور کسی حد تک عبرت انگیز ہوگا کہ اصل اسلامی معاشرہ "قصۂ ماضی" ہی معلوم پڑے گا۔ عہدِ وسطیٰ کی اسلامی فکر، تمدنی ترقی، معاشی برتری، عقلیت پسندی، علم دوستی، تدبر و حکمرانی، عدل و انصاف، بہادری و جاں نثاری اور علمی برتری سب کچھ گزرے ہوئے کل کی بات معلوم پڑتی ہے۔ آج ہم میں کوئی زکریا رازی کیوں نہیں ملتا۔ ابو کامل کیوں پیدا نہیں ہوتا۔ جابر بن حیان کہاں ہیں۔ خوارزمی کا کیا پتہ ہے۔ بو علی سینا کیوں نظر نہیں آتے۔ البیرونی، البغدادی، الفارابی، الغزالی، الکندی کدھر ہیں۔ ابن رشد، ابن زہر، ابن خلدون، ابن ہیثم، ابن نفیس تاریکی میں گم کیوں ہیں۔ اسلامی دنیا ان ہستیوں کی وراثت سے کیوں محروم ہے۔ کیا یہی محرومی اسلامی زوال کی ذمہ دار تو نہیں۔ کیا ان کی عدم موجودگی "اسلام ایک قصۂ ماضی" کی مترادف تو نہیں۔

"اسلام ایک قصۂ ماضی" اور "مسلمان نہیں، راکھ کا ڈھیر" کی حقیقت کو اسلامی معاشرے کے ماضی اور حال کے چند اعداد و شمار بھی بخوبی ثابت کرتے ہیں۔ یورپ کے ایک معروف مؤرخ چارلس جیلسپی (Charles Gillespie) نے ان سائنسدانوں کی فہرست مرتب کی ہے جنھوں نے عہدِ وسطیٰ میں (ساتویں صدی سے پندرھویں صدی تک) سائنس کو فروغ دیا اور اس طرح موجودہ سائنسی انقلاب کی بنیاد رکھی۔ اس فہرست میں تقریباً ایک سو بتیس سائنسدانوں کے نام شامل ہیں جن میں ایک سو پانچ کا تعلق اسلامی دنیا سے تھا۔ دس یا بارہ وہ تھے جو غیر اسلامی یورپ سے تعلق رکھتے تھے لیکن ان میں سے بیشتر نے اسلامی اسپین کی یونیورسٹیوں (قرطبہ، غرناطہ وغیرہ) سے سائنس کی تعلیم حاصل کی تھی۔ گویا کہ عہدِ وسطیٰ میں دنیا کے کم و بیش نوے فیصد سائنس داں اسلامی دنیا سے تعلق رکھتے تھے۔ یہی تناسب سائنسی ایجادات اور سائنسی تصانیف کا بھی تھا۔ لیکن بیسویں صدی آئی تو بساط بالکل الٹ چکی تھی۔ اسلامی دنیا سے سائنس کا نکالا ہو چکا تھا۔ 1981ء کے ایک سروے کے مطابق چھوٹے سے ملک ناروے (Norway) کے سائنسدانوں، انجینئروں اور ڈاکٹروں کی کل تعداد پوری اسلامی دنیا کے سائنسدانوں، انجینئروں اور ڈاکٹروں سے کچھ زیادہ ہی تھی۔ یہ تعداد جاپان کے کل سائنسدانوں کے نصف سے بھی کم تھی۔ 1981ء کے ہی ایک دوسرے سروے کے مطابق جو پچیس ممالک سب سے زیادہ سائنسی لٹریچر ہر سال شائع کرتے تھے ان میں ایک بھی مسلم ملک کا نام نہ تھا۔ 1998ء کی ایک خبر میں یہ بھی بتایا گیا کہ 1996ء میں دنیا بھر میں جو سائنسی مضامین مختلف رسائل میں شائع ہوئے تھے ان میں مسلم ممالک میں شائع ہونے والے مضامین ایک فیصد سے کم تھے۔ لیجیے عہدِ وسطیٰ میں جب مسلمانوں کی آبادی دنیا کی

اسلامی دنیا سے سائنس کا نکالا ہو چکا تھا۔ 1981ء کے ایک سروے کے مطابق چھوٹے سے ملک ناروے کے سائنسدانوں، انجینئروں اور ڈاکٹروں کی کل تعداد پوری اسلامی دنیا کے سائنسدانوں، انجینئروں اور ڈاکٹروں سے کچھ زیادہ ہی تھی۔

کل آبادی کا تقریباً 15 فی صد تھی، اُس وقت سائنسی سرگرمیوں میں ان کی شمولیت تقریباً 90 فیصد اور بیسویں صدی میں جب مسلمانوں کی آبادی تقریباً 22 فیصد تھی تو سائنس میں حصہ ایک فیصد سے کم۔ عہد وسطیٰ میں سائنسی انکشافات اور ایجادات کے مراکز بغداد، سمرقند، دمشق، قاہرہ، اشبیلہ، قرطبہ، غرناطہ، بخارا وغیرہ میں تھے جن سے ساری دنیا فیض اٹھاتی تھی۔ بیسویں صدی کیا آئی کہ علم نافع اسلامی دنیا سے مفقود ہوگیا۔ اب ہر نئی ایجاد کا سہرا یورپ کے سائنسدانوں کے سر پہ تھا۔ بھاپ کے انجن سے لے کر ہوائی جہاز کا بنانا، جان بچانے والی دواؤں کا معلوم کرنا کمپیوٹر کی تشکیل، مختلف ذرائع سے بجلی کی پیداوار، غرضیکہ نفع پہنچانے والے سارے علوم مغربی اقوام کے کارنامے تھے۔ ان میں مسلمانوں کا کوئی رول نہ تھا کیونکہ اسلام تو "ایک قصۂ ماضی" تھا۔

> لیجیے عہد وسطیٰ میں جب مسلمانوں کی آبادی دنیا کی کُل آبادی کا تقریباً 15 فیصد تھی، اس وقت سائنسی سرگرمیوں میں ان کی شمولیت تقریباً 90 فیصد اور بیسویں صدی میں جب مسلمانوں کی آبادی تقریباً 22 فیصد تو سائنس میں حصہ 1٪ سے بھی کم۔

عہد وسطیٰ میں پورا یورپ علم کے حصول کے لیے اسلامی ممالک کا رُخ اختیار کرتا تھا۔ راجر بیکن (Roger Bacon) ہو یا جرارڈ (Gerard) جتنے بھی یورپی سائنسداں اور عالم تھے، وہ سب کے سب اسپین کی اسلامی یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ تھے۔ آج حال یہ ہے کہ ساری اسلامی دنیا حصول علم کے لیے یورپ اور امریکہ کا دورہ کرتی ہے۔ حد تو یہ ہے کہ اسلامی تاریخ پر بھی بہترین کام یورپ اور امریکہ کی یونیورسٹیوں میں ہوتا ہے جہاں مسلمان علماء اور دانشور جانا باعث فخر و افتخار سمجھتے ہیں۔ قدیم اسلامی لٹریچر بھی انہی یونیورسٹیوں میں محفوظ ہے۔ ایک زمانہ تھا جب بغداد کی ایک شاہراہ پر دو سو کتابوں کی دکانیں تھیں، جہاں قرآن پاک سے لے کر فلکیات، طبعیات، ریاضی، کیمیا، طب وغیرہ کی کتابیں فروخت ہوتی تھیں۔ آج کسی دکان پر تو کیا مسلم اداروں کی لائبریریوں میں بھی ابن ہیثم اور جابر بن حیان کی تصانیف مشکل سے ملیں گی۔ کیونکہ ایک یورپی مورخ کے قول کے مطابق اٹھارھویں صدی میں مسلمانوں کا زوال اتنا شدید تھا کہ نہ تو انھیں اس وقت نئی ترقیوں کی خبر تھی اور نہ ہی اپنی قدیم سائنسی کامرانیوں کا علم تھا۔ بقول مولانا ابوالحسن علی ندوی "یہ تاریخ کا عبرت انگیز واقعہ ہے کہ سائنس کی عظیم الشان خدمات انجام دینے کے بعد مسلمان اپنی تحقیقی و علمی روش بھول گئے اور مقلدانہ اور روایتی ذہنیت کا شکار ہوگئے جس کے نتیجہ میں وہ سائنسی اور صنعتی میدان میں مغرب سے پیچھے رہ گئے۔" اسی موضوع پر ایڈورڈ ایٹیا (Edward Atiya) نے مسلمانوں کے زوال کے دور کو Long Sleep (طویل نیند) کہا ہے اور بتایا کہ اس دور میں "مسلمان سوچنے اور ایجاد کی صلاحیت کو کھو بیٹھا اور صرف پرانی کتابوں کو رٹ لینے کو علم سمجھ بیٹھا۔" اب وہ قدیم کتابوں پر شرحیں لکھنے لگا اور اس کے بعد شرحوں کی شرحیں بھی تحریر کرنے لگا۔ اس کے نزدیک یہ اس کے علمی مشاغل کے بہترین نمونے تھے۔ تخلیقی اور تحقیقی تصانیف "قصۂ ماضی" بن گئیں۔

ماضی میں بیت الحکمت جیسی اکاڈمیاں سارے اسلامی دنیا میں پھیلی ہوئی تھیں۔ آج سائنسی اکیڈمی کی اہمیت اسلامی معاشرہ میں ختم ہوچکی ہے۔ سائنسی علم کو علم کے زمرہ میں رکھنا ہی نامناسب قرار دیا جاچکا ہے 1940ء میں ایک مشہور قائد نے خبردار کیا کہ سائنس کو علم

سمجھنا بڑی غلطی ہے۔ مشہور حدیث " علم حاصل کرو خواہ چین ہی جانا پڑے "کو ضعیف حدیث بتا کر جدید علوم کا مذاق اڑایا گیا اور ان علوم کے مراکز کو درسگاہیں نہیں' بلکہ قتل گاہیں کہہ دیا گیا۔ مسلمانوں کا حال کچھ ویسا ہی ہو گیا جو رومن سلطنت کے زوال کے وقت یورپین اقوام کا تھا' جنھوں نے عیسائیت کو قبول تو کر لیا تھا لیکن صرف روحانیت پانے کے لیے۔ دنیا پانے کے لیے نہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائیوں کو علم دنیا سے اتنی نفرت ہوئی کہ انھوں نے اقلیدس' افلاطون' جالینوس وغیرہ کی تصنیفات کو کفر کے ذخائر بتایا اور ان لائبریریوں کو نذر آتش کیا جہاں یہ کتابیں محفوظ تھیں۔ اسی غیر عقلی رویہ کی بنا پر رومیوں نے پانچویں صدی عیسوی میں اسکندریہ کی مشہور لائبریری کو آگ لگا دی اور بعد میں جب شرمندہ ہوئے تو آگ لگانے کا الزام عمرو بن العاص کی فوجوں پر لگا دیا' جنھوں نے 642ء میں مصر فتح کیا تھا۔ لیکن سچائی یہ تھی کہ مسلمانوں نے قدیم رومن اور یونانی لٹریچر کو محفوظ ہی نہیں کیا بلکہ ان کے عربی تراجم ساری دنیا میں حصول علم کی خاطر تقسیم کرا دیئے۔ براؤن لکھتا ہے کہ جب اسلامی فوجیں نئے علاقوں کو فتح کر لیتیں تو صلح نامہ پر جو شرطیں ہوتیں اس میں ایک شرط یہ بھی ہوا کرتی کہ اس علاقے میں موجود علوم مختلفہ کی یونانی کتابیں ان کے حوالے کر دی جائیں۔ اس شرط پر مغلوب عیسائی بخوشی راضی ہو جاتے کیونکہ یہ کتابیں ان کے لیے بیکار محض تھیں۔ یہ حال تھا اسلامی عروج کا۔ بیسویں صدی میں جب زوال آیا تو مسلمانوں کا حال وہی ہو گیا جو دور وسطیٰ میں عیسائیوں کا تھا۔ اس حال زار پر مولانا ابوالکلام آزاد نے مختلف مضامین کے ذریعے بہت تفصیل سے روشنی ڈالی ہے (غبار خاطر)۔ علم کو روحانی اور دینی مراکز میں محدود کر دیا گیا جو خود جمود کا شکار تھے۔ جدید اور سائنسی علوم کو خلاف دین قرار دیا گیا۔ 1857ء کو دہلی کالج کی لائبریری کو لوٹا گیا۔ انگریزی اور سائنس کی کتابوں کو پھاڑ ڈالا گیا۔ سائنس کے آلات کو آلات شیطانی کہہ کر توڑا۔ بلوائی عربی اور فارسی کتابوں کو ساتھ لے گئے اور کباڑ میں بیچ ڈالا۔ مسلمانوں کا یہ عمل بالکل ویسا ہی تھا جیسا کہ عیسائیوں کا اسکندریہ کی لائبریری کو جلاتے وقت تھا۔ اسلام قصۂ ماضی ہو گیا۔

ماضی کا اسلامی دور وہ تھا جب اسلام کو دین فطرت بتا کر ہر کام عقل کی بنیاد پر کیا جاتا۔ بوعلی سینا نے دماغی خرابی کو تاریخ انسانی میں پہلی مرتبہ دوسرے امراض کی طرح کا ایک مرض تجویز کیا اور جھاڑ پھونک کے علاج کو غیر ضروری بتاتے ہوئے دواؤں اور حسن سلوک سے مریض کو ٹھیک کرنے کی ہدایت کی۔ لیکن انیسویں اور بیسویں صدی میں مسلمان' عیسائیوں کے تاریک دور میں واپس چلا گیا۔ عملیات کے ذریعے علاج و معالجہ ہونے لگا۔ امراض پر قابو پانے کے لیے روحانی طریقے معلوم کیے جانے لگے۔ ایسے تیل بنائے گئے جن کو سر میں لگانے سے بلاؤں کو بھگانے کا دعویٰ کیا جانے لگا۔ جناتوں کو قابو کر کے بوتلوں میں قید کر کے امراض خبیثہ سے نجات پانے کا طریقہ معلوم کر لیا گیا۔ توچندی جمعرات کے دن چنبیلی

> براؤن لکھتا ہے کہ جب اسلامی فوجیں نئے علاقوں کو فتح کر لیتیں تو صلح نامہ پر جو شرائط ہوتیں ان میں ایک شرط یہ بھی ہوا کرتی کہ اس علاقے میں موجود علوم مختلفہ کی یونانی کتابیں ان کے حوالے کر دی جائیں۔ اس شرط پر مغلوب عیسائی بخوشی راضی ہو جاتے کیونکہ یہ کتابیں ان کے لیے بیکار محض تھیں۔ یہ حال تھا اسلامی عروج کا۔

سکے پھولوں کو قبروں میں گاڑ کر سمجھا گیا کہ اس سے دل کی مرادیں پوری ہوں گی ۔ اسلام ایک قصہ ماضی بن گیا۔

صفائی اور ستھرائی کی اسلامی تعلیمات کے پیش نظر ایک زمانہ میں اسلامی معاشرہ میں ان باتوں پر اتنا زور دیا جاتا کہ صفائی مسلمانوں کی پہچان بن گئی۔ کہا جاتا ہے کہ اسپین پر پندرھویں صدی میں جب عیسائی اقوام نے قبضہ کر لیا تو ہر وہ شخص جو صاف ستھرے لباس میں نظر آتا، اس پر وہ مسلمان ہونے کا شک کیا کرتے۔ بیسویں صدی میں یہ حال ہو گیا کہ بقول اسٹارڈ مسلمان گندے پیرہن کو لباس فقیری کہہ کر اپنانے لگے۔ اسلام ایک قصہ ماضی ہو گیا۔

اسلام میں عقلیت پسندی نے امام غزالی اور الفارابی جیسے عالموں کو جنم دیا تھا لیکن انیسویں صدی اور بیسویں صدی میں جب سر سید اور اقبال جیسے دانشوروں نے عقل کے استعمال اور استدلال پر زور دیا تو "زاہدِ تنگ نظر" نے انھیں کافر جانا کیونکہ اب اسلام ماضی کا ایک قصہ تھا۔

ایک زمانہ تھا اور وہ زمانہ ایک ہزار سال پر محیط تھا جب دینی عالم دنیوی علوم پر قدرت رکھتے تھے۔ یا یوں کہا جائے کہ دنیوی علوم پر قدرت والے دینی علوم سے خوب واقف ہوا کرتے تھے۔ الکندی، البیرونی، بو علی سینا، ابن رشد، جابر بن حیان، زکریا رازی اس سچائی کی چند مثالیں ہیں۔ دنیوی علوم میں قدرت رکھنے کے باعث اسلامی دنیا ایک زبردست معاشی اور فوجی طاقت تھی۔ سولھویں صدی کے بعد علوم جدیدہ سے مسلمانوں میں بیزاری بڑھنے لگی اور ایک طبقہ یہ کہنے لگا کہ قرآن و حدیث کے ارشادات جو بھی علم سے متعلق ہیں، ان کا اشارہ علم دین سے ہے نہ کہ علم دنیا سے۔ یہ بیزاری اس حد تک بڑھی کہ علوم جدیدہ کو علم فرنگ کا نام دیا جانے لگا۔ ان علوم سے بیزاری کا نتیجہ یہ ہوا کہ بیسوی صدی کے اوائل ہی میں مسلمان معاشی اور فوجی طاقت کے اعتبار سے کمزور ترین قوم بن گئے۔ **1918ء** میں یوروپین فوجوں نے بیت المقدس پر قبضہ کر لیا تو قبۃ الصخرہ (Dome of Rock) کی سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر ان فوجوں کی قیادت کرنے والے فیلڈ مارشل الن بی (Allenby) نے اعلان کیا کہ "یہ جنگ آٹھویں صلیبی جنگ تھی جس میں ہمیں مکمل فتح حاصل ہوئی ہے"۔ پھر اسی سال اسمتھ (Smith) نامی مورخ نے اسلام پر ایک کتاب لکھتے ہوئے اعلان کیا کہ "بیت المقدس کی فتح اصل میں آخری صلیبی جنگ تھی"۔ گویا مسلمان ہمیشہ کے لیے پسپا کر دیا گیا تھا اور کچھ ایسا ہی ہوا بھی۔ **1918ء** کے بعد مسلمان مغرب کی جانب نظر اٹھانے کی ہمت نہ کر پایا۔ ہاں آپس میں خونریز جنگیں خوب لڑیں، وہ بھی یورپ اور امریکہ سے ہتھیار خرید کر۔ ایک جنگ جو تقریباً آٹھ سال تک دو اسلامی ممالک کے درمیان لڑی گئی۔ اس میں دس لاکھ جانیں تلف ہوئیں۔ یہ حال ویسا ہی تھا، جب عہد وسطیٰ میں یورپی اقوام آپس میں برسوں ایک دوسرے سے برسر پیکار رہتی تھیں۔ گویا مسلمان بیسویں صدی میں ماضی کے یورپی عیسائیوں کی نقل کر رہے تھے کیونکہ اسلام "ایک قصہ ماضی" بن چکا تھا۔

کیمبل، برائی فالٹ اور دیگر یورپی دانشوروں نے عہدِ وسطیٰ میں اسلامی علم کی عظمت کا حال کچھ اس طرح لکھا ہے جسے پڑھ کر اور جس کا موازنہ آج کے علمی سطح سے کر کے عبرت ہوتی ہے۔ کیمبل لکھتا ہے کہ دسویں اور گیارھویں صدی میں اسلامی معاشرے میں علم کا اتنا چرچا تھا کہ بغداد اور قرطبہ کے دس دس لاکھ کی آبادی والے شہروں میں تعلیم سو فی صد تھی اور ہر لڑکا اور ہر لڑکی جن کی عمر بارہ سال سے زیادہ ہوتی تھی، لکھنا اور پڑھنا جانتے تھے یہ وہ دور تھا جبکہ یورپ کے نوابوں (Lords & Barons) کی بیویاں، ان کے بیٹے اور بیٹیاں اپنا نام مشکل سے لکھ سکتے تھے۔ بیسویں صدی آئی تو معلوم ہوا کہ مسلم آبادیاں تعلیم سے بالکل بے خبر ہیں۔ ویسا ہی حشر

جو پہلے یورپیوں کا تھا۔ یہ مشکل دس فیصد مرد اور دو فیصد مسلم عورتیں لکھنا پڑھنا جانتی تھیں۔ 1901ء میں ایک سروے ہوا جس میں پتہ چلا کہ ہندوستان میں دو سو مسلمان عورتوں میں سے صرف تین عورتیں لکھ پڑھ سکتی تھیں۔ گویا کہ دسویں صدی میں تو مسلم عورتوں میں تعلیم سو فیصد اور بیسویں صدی میں دو فیصد سے کم۔ کسی مسلمان کو ابن ماجہ کی اس حدیث کی فکر نہ تھی جس میں علم کا حصول ہر مرد اور عورت پر فرض کر دیا گیا تھا اور مہد سے لحد تک اس کی ضرورت محسوس کرائی گئی تھی۔ اب یہاں تک کہا جانے لگا کہ عورت کو پڑھنا سکھایا جائے، لکھنا نہیں۔ لیجئے اسلام ایک قصۂ ماضی ہوا۔

ایک دور تھا جب اسلامی مملکتیں ہر اعتبار سے خود کفیل ہوا کرتی تھیں۔ لہلہاتی کھیتیاں اسلامی دنیا میں تھیں۔ پھلوں اور پھولوں کی کثرت اسلامی دور کی خصوصیت تھی۔ عالیشان عمارتیں، نہریں، شاہراہیں، تجربہ گاہیں، اسپتال، معدنیات کی فیکٹریاں، لوہے، تانبے، پیتل وغیرہ کے کارخانے، کشتیاں، کاغذ بنانے کی صنعتیں، برتن بنانے کے مراکز، غرضیکہ ہر چیز جس کی ضرورت ترقی یافتہ معاشرہ میں ہونی چاہیئے وہ سب ہی اسلامی دنیا کو میسّر تھی۔ کاغذ بنانے کی صنعت 752ء میں ممالک اسلامیہ میں شروع کی جا چکی تھی اور ڈیڑھ سو سال کے اندر اسلامی دنیا کا سارا کام کاج کاغذ پر شروع کر دیا گیا تھا۔ رنگین کاغذ بھی 912ء میں دمشق میں بننے لگا۔ برخلاف اس کے عیسائی دنیا میں کاغذ تقریبًا پانچ سو سال بعد یعنی پندرھویں صدی میں مسلمانوں کے توسط سے بنایا جانے لگا۔ یہی حال فوجی سازوسامان کا تھا۔ اسلامی دنیا میں بہترین تلواریں بنتی تھیں، بہت عمدہ قسم کے منجنیق تیار ہوتے تھے۔ زرہ بکتر مثالی ہوتے تھے۔ تربیت یافتہ فوجی گھوڑے اور توپ خانے ایسے جن کا مقابلہ ناممکن تھا۔ یورپ کے شہنشاہ ان اشیاء کو خریدنے کے لیے خاص ایلچی اسلامی ممالک کو روانہ کرتے تھے۔ گویا ہر اعتبار سے اسلامی معاشرہ اپنے عہد سے آگے تھا۔ بیسویں صدی کا حال سنیئے تو شرم سے نگاہیں جھک جاتی ہیں۔ مسلم مملکتیں اپنی ضرورت کی اشیاء یورپ سے منگانے لگیں۔ اپنے تحفظ کے لیے مغرب پر مکمل طور پر انحصار کیا جانے لگا۔ اسلامی دنیا اپنی قومی آمدنی کا پچیس فی صد حصّہ ہتھیاروں کی خرید پر خرچ کرنے لگی اور خرچ کی یہ ساری دولت مغرب کو منتقل ہونے لگی۔ برخلاف اس کے مغربی قومیں اپنے تحفظ کے لیے صرف قومی آمدنی کا گیارہ فی صد خرچ کرتیں اور وہ رقم خود ان ہی کے علاقوں میں رہتی۔ یہ کایا پلٹ شاید اس لیے ہوئی کیونکہ مسلمان بقول ایڈورڈ ایٹیا، ایک گہری نیند سو گیا ہے اور ماضی میں کھو گیا ہے۔

اسلام قصۂ ماضی کیا ہوا کہ پوری اُمّت مسلمہ موجودہ دور میں بیچارگی اور مصائب میں گھر گئی۔ کچھ قائدین نے ان سے نکلنے کی راہ صرف دعاؤں میں بنائی۔ عظیم الشان جلسے کیے جانے لگے جہاں روحانیت کا سبق دیا جانے لگا اور بقول سیّد حامد "یہ دین والے اسی خیال میں مگن ہیں کہ دین اور اخلاق کی خدمت ان کے دم سے ہو رہی ہے"۔ ایک مضمون میں مولانا ابوالکلام آزاد نے تحریر فرمایا تھا کہ: "بے عمل (اور بے علم) انسانوں کے لیے دعائیں تعطل قویٰ اور ترکِ عمل کا حیلہ بن جاتی ہیں۔ مسلمانوں کے لیے دعاؤں کا یہی اثر ہوا اور وہ عملی زندگی کو ترک کر بیٹھا۔ قدرت کا یہ اصول نہ بدلا جا سکا کہ کسی قوم میں تغیر اس وقت تک نہیں آ سکتا ہے جب تک کہ قوم کے افراد خود اپنی حالت کو نہ بدلیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ان اللہ لا یغیر ومابقوم حتیٰ یغیروا ما بانفسہم (سورہ رعد)

کچھ علماء اور دانشوروں کا نظریہ ہے کہ اسلام (مسلمانوں) کا زوال تاتاریوں کے کامیاب حملہ سے ہی شروع ہو گیا تھا۔ جب تیرھویں صدی کے اواخر میں ہلاکو نے بغداد کو تباہ و برباد کیا اور شہر کی آدھی آبادی کو

تہہ تیغ کر ڈالا۔ مسلمانوں میں خوف وہراس پھیل گیا اور انھوں نے یونانی فلسفہ اسٹواک (Stoic) کو اپنانا شروع کر دیا جس میں یاسیت، محرومی، بے نیازی، قنوطیت کے احساسات خاص عناصر تھے۔ اس صورت حال کو تاتاری حکمرانوں نے جو بعد میں خود مسلمان بھی ہوگئے، خوب بڑھاوا دیا۔ کیونکہ مایوس مسلمانوں پر حکومت زیادہ آسان تھی۔ مایوسی کے عالم میں مسلمانوں کو روحانی مراکز پر ایک قسم کا قلبی سکون محسوس ہونے لگا جو ان حالات میں ایک قدرتی بات تھی۔ لیکن اس صورت حال کا حکمرانوں نے زبردست استحصال کیا اور عوام کو علم سے دور رکھا۔ جاہلیت کے اندھیروں میں انھیں ڈھکیل دیا۔ بدعات کی بنیاد پر بنے ان کے رسومات کو خوب بڑھاوا ملا۔ یہ سارے منصوبے اس حد تک کامیاب ہوتے کہ بقول مولانا ابوالحسن علی ندوی دورِ انحطاطِ اسلامی میں عبقری صلاحیت کے لوگ (Genius) بہت کم نظر آنے لگے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں "زیادہ تر علماء اور مفکرین نے علوم مابعد الطبیعیات (Metaphysics) کی طرف توجہ زیادہ کی اور علوم طبیعیہ اور عملی اور نتیجہ خیز فنون کی طرف توجہ کم کی۔ ان مباحث میں جن کا دنیا و آخرت میں کوئی فائدہ نہ تھا صدیوں تک دردسری و دیدہ ریزی کرتے رہے اور ان علوم اور تجربوں کی طرف توجہ نہ کی جو ان کے لیے کائنات کی طبیعی قوتیں مسخر کر دیتے اور اسلام کے مادّی اور روحانی تسلط کو تمام عالم پر (پھر سے) قائم کر دیتے۔" مولانا نے اصل میں اس دور کی عکاسی کی ہے جب تعلیمی حلقے اور مدارس سخت جمود و تقلید کا شکار اور ایک علمی وفکری انحطاط میں گرفتار تھے۔ اس پرآشوب دور میں چند مستند شخصیتوں نے جنم ضرور لیا، جنھوں نے اپنی تحریروں اور تقریروں سے خوابیدہ مسلمانوں کو ہوشیار کرنے کی سعی کی۔ حضرت شیخ احمد سرہندی، مجدّد الف ثانی (گیارھویں صدی ہجری)، حضرت شاہ ولی اللہ (بارھویں صدی ہجری)، اور شاہ اسمٰعیل شہید دہلوی (تیرھویں صدی ہجری) جیسے عظیم علماء کرام نے اپنی اجتہادی شان رکھنے والی تصنیفات سے دنیائے اسلام پر گہرا اثر تو ڈالا لیکن عام مسلمانوں کو جاہلیت، توہمات اور فرسودہ رسم و رواج سے نکالنے میں کامیاب نہ ہوسکے۔ ان کی ذہنی پستی کو دور نہ کر سکے۔ چنانچہ بقول مولانا علی میاں "مسلمانوں نے وقت کی قدر نہ کی اور صدیاں ضائع کر دیں (مباحث میں) برخلاف اس کے یورپی قوموں نے وقت کی قدر کی اور صدیوں کی مسافت برسوں میں طے کی۔" اور اس طرح مسلمانوں کو بہت پیچھے چھوڑ گئے۔ جی ہاں اسلام ایک قصۂ ماضی ہو گیا۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پچھلی چند دہائیوں میں امّت مسلمہ نیند سے بیدار ہونے لگی ہے اور یہ احساس جاگا ہے کہ تسخیر دنیا کے لیے جدید علوم کا حصول ضروری ہے اور اللہ کے اس حکم کی پابندی لازم ہے جس میں عمل کی تاکید کی گئی ہے۔ چنانچہ ماضی قریب میں چند بہت اہم بین الاقوامی کانفرنسیں دنیا کے مختلف ممالک میں کی گئیں جن میں تیزی سے بدلتے حالات سے نپٹنے کے طریقوں کو پہچاننے پر زور دیا گیا۔ ایسی ہی ایک کانفرنس 1982ء میں اسلام آباد میں ہوئی جس میں بڑی تعداد میں اسلامی ممالک نے شرکت کی اور مختلف مقالوں اور قراردادوں کے ذریعہ اس بات پر زور

دیا کہ اگر بے دینی کی لہر کو روکنا ہے اور مسلمانوں کو قعرِ مذلت سے نکالنا ہے تو اسلام کو بہتر سائنٹفک طور پر پیش کیا جائے۔ عالم واقعی کو پس منظر میں ڈالنے کے بجائے سامنے لایا جائے۔ قدامت پرستی اور لفظ پرستی سے چھٹکارا دلایا جائے۔ مسلکی اختلافات کو بالائے طاق رکھا جائے۔ نیکی، فضیلت اور دینداری حاصل کرنے کے لیے دنیا کو رد کرنے کا عمل روکا جائے۔ علم دین اور علم دنیا کو دو خانوں میں نہ بانٹا جائے۔ توہمات اور فرسودہ رسم و رواج کو تج دیا جائے۔ ناخواندگی کو پورے طور سے ختم کیا جائے عوام میں جدت اور نیا پن لایا جائے۔ علم شریعت چند لوگوں کی اجارہ داری نہ ہونے دی جائے۔ ہر نئی بات کو بدعت پر محمول نہ کیا جائے۔ اور نہ ہر نئی چیز یا ایجاد کو گمراہی سے تعبیر کیا جائے۔ تمام تر توجہ اس بات پر دی جائے کہ مسلمان اپنے عہد کے ساتھ چلے یا ہوسکے تو عہد سے آگے۔ جیسا کہ ماضی کی اسلامی تاریخ ظاہر کرتی ہے۔ اگر مسلمانوں نے کانفرنس کی ان ہدایات پر عمل کیا تو ہوسکتا ہے کہ وہ اپنی راکھ سے ایک بار پھر عقاب بن کر فضا میں پرواز شروع کر دے اور علوم جدیدہ کے حصول کو اب پھر سے فریضۂ اسلامی سمجھے۔ کیونکہ بقول اقبال ؔ ؎

اس دور میں تعلیم ہے امراضِ ملّت کی دوا
ہے خونِ فاسد کے لیے تعلیم مثلِ نشتر

امّتِ مسلمہ کو تسخیر دنیا کے لیے باعمل ہو کر تیزی سے بدلتے حالات کے تقاضوں کو پورا کرنا ہوگا۔ کیونکہ ؎

ذرا دیکھ اس کو جو کچھ ہو رہا ہے، ہونے والا ہے
دھرا کیا ہے بھلا عہدِ کہن کی داستانوں میں (اقبال)

بقیہ: ... مرجان

اس میں کچھ تاب دار (FLUORESCENT) سبزی مائل زرد پٹے نظر آتے ہیں جن کی کثافت مرجان کی پیدائش کے وقت اس علاقے میں ہونے والی بارش کی مقدار اور دریاؤں کی طغیانی کی دلیل ہوتی ہے۔ آئی ڈیل کی تحقیقات نے 1770ء میں اس علاقے میں ہوئی زبردست بارش کا انکشاف بھی کیا۔ مذکورہ تاب دار پٹے مرجان کے اندر پائے جانے والے ایک جز و فل وِک ایسڈ (FULVIC ACID) کی وجہ سے نظر آتے ہیں۔ آئی ڈیل کے مطالعے سے ماضی میں موسم کی نمایاں تبدیلیوں اور ان کے درمیانی وقفوں کا تجزیہ کرتے ہوئے مستقبل میں پیش آنے والی تبدیلیوں پر قیاس کرنا آسان ہو گیا ہے۔

آبی جانور چارٹ

عبدالودود انصاری
آسنسول۔ 2 (مغربی بنگال)

صحیح حل بھیجیں !

50 روپے نقد انعام پائیں ! !

اپنا صحیح حل صفحہ نمبر 56 پر دیئے گئے سادہ کوپن کے ہمراہ 10 دسمبر 1998ء تک ہمیں بھیج دیں۔ صحیح حل اور انعام پانے والے کا نام جنوری 1999ء کے شمارے میں شائع ہوگا۔ ایک سے زیادہ صحیح حل موصول ہونے پر فیصلہ بذریعہ قرعہ اندازی ہوگا۔

نیچے دیئے گئے چارٹ کے حروف میں بارہ آبی جانوروں کے نام پوشیدہ ہیں۔ یہ نام حروف کو اوپر سے نیچے، نیچے سے اوپر دائیں سے بائیں، بائیں سے دائیں سیدھے سے ترچھے ملانے سے بن سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر "دریائی گھوڑا"، کی نشاندہی کی گئی ہے۔ بقیہ بارہ جانوروں کے نام تلاش کریں (نوٹ: کچھ جانور ایسے بھی ہیں جو پانی اور خشکی دونوں میں رہتے ہیں)

ب	س	و	ط	ا	د	ی	ک	س	ی	د
ط	ا	س	و	ر	ب	و	ڈ	ا	ل	ر
ج	ن	گ	ا	ڈ	ا	ج	ن	ا	پھ	ی
ا	س	ا	ن	پ	ص	ف	ی	ڑ	ا	ا
ک	و	پ	ی	و	ل	ڑ	م	ک	ل	ء
ہ	پھ	ف	ی	ا	گھ	پھ	ڈ	ی	م	ی
ا	ک	و	ڈ	س	ل	گ	ہ	ک	ی	گھ
ی	ی	ہ	ا	ی	و	و	ی	چھ	ن	و
س	ق	ش	و	ڈ	ی	ل	ف	ن	ڈ	ڑ
ط	ڑ	ج	د	ا	ف	ا	ل	و	ڈ	ا
د	ا	م	د	ف	م	و	م	ا	ک	ا

صحیح حل

جواہرات چارٹ:

(1) یاقوت (2) جمونیا (3) زمرد (4) زبرجد (5) عقیق (6) عنبر (7) لعل (8) مرجان (9) نیلم (10) ہیرا۔

کوئی بھی صحیح حل موصول نہیں ہوا۔

ر	ا	و	ر	ی	ہ	د	ش	ر	ا
ب	ب	ع	ل	ی 1	م	ج	10 ہ	ر	د
س	م	ن	ا	ل 7	ف	ن 9	ی	ل	م 8
ق	ی	ق	ع 6 5	ی	ی	ا	ر	ن	ر
ی	و	ل	ر	ا	د	د	ا	و	ج
ت	م	و	ق	ر	ت	ج	گ	م	ا
ل	ز	و	م	م	ر	ا	ر	ج	ن
ہ	م	ز 3	ق	م	ی	س	ن	ب	ض
ر	د	ج 2	م	و	ن	ی	ا	ص	ز 4
ی	ا	ق	و	ل	ت	و	ک	ا	ی

دریا چارٹ (انعام پایا):

مریم جمیلہ خانم

(عالمہ سال دوم) جامعۃ المومنات پھاٹک پورہ کھامگاؤں، بلڈانہ 444303

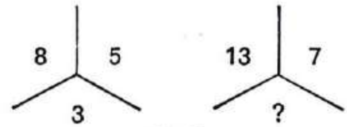
کسوٹی — 58

سوالیہ نشان کی جگہ کون سا نمبر آئے گا؟

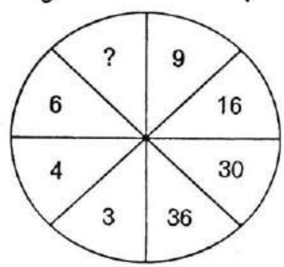
(1)

8	12	24	60	?

(2)



(3)

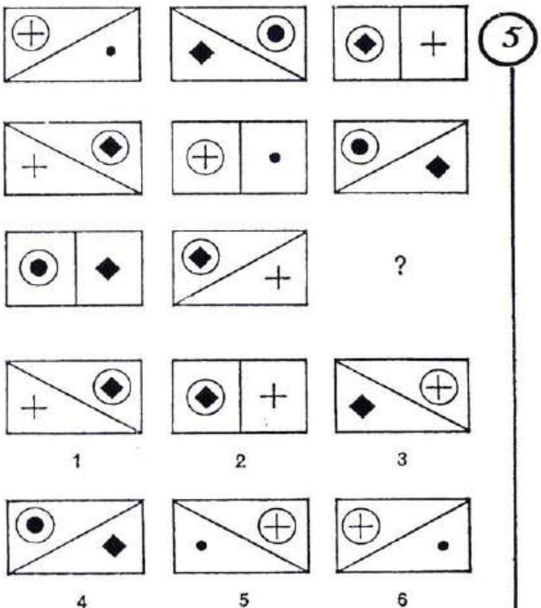


نیچے دیئے گئے ڈیزائنوں (4-5) میں سے ہر ایک ڈیزائن میں ایک جگہ خالی ہے اور ساتھ ہی مختلف ڈیزائنوں کے چھ نمونے ہیں۔ آپ کو یہ بتانا ہے کہ کس خالی جگہ پر کون سے نمبر کا ڈیزائن آئے گا؟

(4)



(5)



آپ کے جوابات "کسوٹی کوپن" کے ہمراہ 10 دسمبر 1998ء تک ہمیں مل جانے چاہئیں۔ صحیح جوابات میں سے بذریعہ قرعہ اندازی کم از کم 5 بہن بھائیوں کے نام چن کر جنوری 1999ء کے شمارے میں شائع کیے جائیں گے نیز جیتنے والوں کو عام سائنسی معلومات کی ایک دلچسپ کتاب بھیجی جائے گی۔

نوٹ:

1۔ یہ انعامی مقابلہ صرف اسکولوں کی سطح نیز دینی مدارس کے طلباء و طالبات کے لیے ہے۔

2۔ بہت سارے جوابات صحیح ہونے کے باوجود قرعہ اندازی میں شامل نہیں ہو پاتے کیونکہ اس کے ساتھ کسوٹی کوپن نہیں ہوتا۔ اس لیے "کسوٹی کوپن" رکھنا نہ بھولیں!

صحیح جوابات کسوٹی نمبر 55

(1) $\frac{4}{6}$ (اعداد کے دو سلسلے ہیں۔ بائیں ہاتھ سے اوپر

والا عدد نیچے اوپر کے خانوں میں سے ہر ایک میں یکے بعد دیگرے ایک کم ہوتا جاتا ہے جبکہ نیچے والا خانہ (25) 5 کا مربع ہے اور اسی طرح ایک ایک کم ہو کر اپنے عدد کا مربع ہے مثلاً (9) 3 کا مربع ہے)

(2) 86 (ہر عدد کو دو گنا کر کے اس میں سے 1 پھر 2 پھر 3 اور پھر 4 کم کر لیں)

(3) 33 (اعداد کا سلسلہ بائیں سے دائیں بالترتیب 16، 8، 4، 2 اور 1 سے کم ہوتا جاتا ہے)

(4) ڈیزائن B

(5) ڈیزائن D

انعام پانے والے ہونہار بہن بھائی :

1. سیّد رضوانہ بانو
معرفت مرزا زین العابدین ابراہیم
لالہ سردار نگر، دیوپور دھولیہ ۔ 424002

2۔ رضوان خاں
نزد نظام سویٹ شاپ، چوراہا چندن شہید روڈ، علی گڑھ 202001

3۔ مرزا سلیمان بیگ
معرفت نرگس میڈیکل
پرانا بازار ۔ بھدرک ۔ اڑیسہ 756100

4۔ محمد حامد خاں عبید
4018 - 11 - 90 احمد پورہ کالونی، نظام آباد 503002

5۔ محمد اقبال
السبیل اکیڈمی، اررہ 854311

صحیح حل بھیجنے والے دیگر بہن بھائی :

★ احمد مقدام، لونی روڈ دہلی ★ صائمہ عفت، وروڈ ★ سعدیہ طاہرہ، وروڈ ★ واصف اصغر، وروڈ ★ سید عبید اطہر، وروڈ ★ محمد امام الدین، جامعہ نگر نئی دہلی ★ مریم جمیلہ خانم جامعۃ المومنات کھامگاؤں ★ عاطف احمد، بالاپور آکولہ ★ سیدہ فرحین الماس قلعہ بیڑ ★ اطہر حسین صدیقی، منگرول پیر۔

صحیح جوابات کسوٹی نمبر 56

(1) 111 (بریکٹ کے اندر والا عدد، بریکٹ سے باہر والے اعداد کے فرق کا آدھا ہے)

(2) 297 (دو اعداد کے درمیان کے فرق کو دو گنا کر کے یکے بعد دیگرے جمع یا گھٹا کیا گیا ہے)

(3) 66 (گھڑی کے رخ چلتے ہوئے ہر عدد کو دو گنا کر کے اس میں سے 2 کم کر لیں)

(4) ڈیزائن نمبر 6 (5) ڈیزائن نمبر 4

انعام پانے والے :

1۔ خورشید انور انصاری
معرفت جامعہ اسکول
55 جامع مسجد اجّین ۔ مدھیہ پردیش 456006

نوٹ : صرف یہی ایک حل مکمل صحیح پایا گیا۔

کاوش

اس کالم کے لیے بچوں سے تحریریں مطلوب ہیں۔ سائنس و ماحولیات کے کسی بھی موضوع پر مضمون، کہانی، ڈرامہ، نظم لکھیئے یا کارٹون بنا کر اپنے پاسپورٹ سائز فوٹو اور "کاوش کوپن" کے ہمراہ ہمیں بھیج دیجیئے۔ قابل اشاعت تحریر کے ساتھ مصنّف کی تصویر شائع کی جائے گی نیز معاوضہ بھی دیا جائے گا۔ اس سلسلے میں مزید خط و کتابت کے لیے اپنا پتہ لکھا ہوا پوسٹ کارڈ ہی بھیجیں (ناقابلِ اشاعت تحریر کو واپس بھیجنا ہمارے لیے ممکن نہ ہوگا)

شہد : قدرت کا نایاب تحفہ

محمد امام الدین
سگیا شیوہر بہار

شہد انسانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا ایک نایاب تحفہ ہے۔ شہد ایک ایسا ٹونک ہے جو ہمارے اعصاب کو مضبوط بناتا ہے۔ اس کی دوسری خاصیت یہ ہے کہ یہ ہمارے جسم کے خلیے (CELL) کو ٹوٹنے پھوٹنے سے بچاتا ہے۔ شہد خاص طور پر ہماری آنکھ، گلے اور جلد کے لیے مفید ہوتا ہے۔ شہد ہماری زندگی میں کئی طرح کا کردار ادا کرتا ہے۔ شہد سبھی امیر، غریب، بیمار، صحت مند۔ الغرض سبھی کے لیے مفید ہے۔

شہد کو ہندی میں مدھو اور انگلش میں ہنی کے نام سے جانا جاتا ہے۔

شہد سفید، کالے، بھورے، پیلے، ہرے اور اور لال سبھی رنگوں میں پایا جاتا ہے۔ یہ نایاب تحفہ ہمیں مدھو مکھی اور بھیڑ کے ذریعہ ملتا ہے۔ یہ دونوں طرح کے شہد ہمارے لیے مفید ہوتے ہیں۔ شہد کی مکھی ایک کلو شہد کے لیے تقریباً دس لاکھ پھولوں سے رس جمع کرتی ہے۔ عام طور پر شہد کی سب سے اچھی قسم کو رائل ہنی (ROYAL HONEY) کے نام سے جانا جاتا ہے، جو جیلی کی طرح ہوتا ہے۔ عام طور پر لال اور بھورے رنگ کا شہد بہتر ہوتا ہے۔ کیونکہ ان میں لوہے کی مقدار زیادہ ہوتی ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ لوہے کی کمی سے ایمنیا (ANAEMIA) جیسی خطرناک بیماری ہوتی ہے — اینمیا دراصل خون میں ہیموگلوبن (HAEMOGLOBIN) کی کمی سے ہوتا ہے۔ جو کہ آکسیجن گیس کو ہمارے خون سے ہمارے جسم کے خلیات تک پہنچاتی ہے۔ یہ ہیموگلوبن لوہے سے ہی بنی ہوتی ہے۔ اس طرح سے اگر لوہے کی کمی ہوگئی تو آکسیجن کی پوری مقدار ہمارے خلیات تک نہیں پہنچ پاتی جس سے ہمارے جسم کے خلیات مرنے لگتے ہیں۔ جب ہمارے خلیے ہی مر جائیں گے تو ہمارا حشر کیا ہوگا۔ اس سے آپ بخوبی واقف ہیں۔ اس لیے ہمیں چاہیئے کہ تھوڑا بہت شہد روز لیتے رہیں۔

جس طرح سے لوگوں نے توریت، انجیل اور بائبل جیسی آسمانی کتابوں میں عین اپنی مرضی کے مطابق ملاوٹ کر ڈالی ہے، انھیں خالص صورت میں نہیں رہنے دیا ہے ٹھیک اسی طرح قدرت کے اس نایاب تحفے کو بھی اپنے نفع کے لیے اس میں طرح طرح کی ملاوٹ کرکے اس کو بدل ڈالا ہے۔ آج کل جو شہد ہم بازار میں دیکھتے ہیں،

اس میں شہد کی مقدار کم اور چینی یا گڑ کی مقدار زیادہ ہوا کرتی ہے۔ لیکن چونکہ میں ایک مسلمان ہوں لہذا یہ میرا فرض بنتا ہے کہ میں آپ کو حق کی پہچان کے لیے کچھ باتیں بتا دوں۔
شہد (خالص) کی کچھ خاصیتیں مندرجہ ذیل ہیں:
خالص شہد پانی میں آسانی سے نہیں گھلتا۔
ایک بوند شہد آپ کسی کاغذ یا کپڑے پر ڈال دیں تھوڑی دیر بعد اسے ہٹا دیں، یعنی پونچھ دیں۔ شہد اگر خالص ہوگا تو اس کاغذ یا کپڑے پر داغ نہیں لگے گا۔
اس طرح آپ خالص اور ملاوٹی شہد میں فرق سمجھ سکتے ہیں۔ اب تو آپ خالص شہد بازار سے خرید سکتے ہیں لیکن اس کے استعمال کے وقت بھی کچھ چیزیں دھیان دینے کے لائق ہیں۔ ورنہ اس کا الٹا اثر بھی ہو سکتا ہے۔

(1) شہد کو کبھی گرم نہ کریں۔
(2) گوشت یا مچھلی کے ساتھ کبھی بھی شہد نہیں لینا چاہیئے۔
(3) مولی، املی، اور امرود کے ساتھ بھی کبھی شہد نہیں چاہیئے۔

50 سے 100 گرام شہد ایک دن کے لیے کافی ہے۔ ایک چمچہ شہد میں ہمیں تقریباً 75 جول انرجی مہیا کراتا ہے۔ اسی خاصیت کی وجہ سے قدرت کے اس نایاب تحفے کو ایک متوازن غذا (BALANCED DIET) کہا جاتا ہے۔ شہد کا استعمال دوا کی شکل میں بھی ہوتا ہے جیسے کولرا، اکزیمہ بخار، بلڈ پریشر، ملیریا، ہسٹریا وغیرہ بیماریوں میں شہد کو کچھ دوسری چیزوں (دواؤں) کے ساتھ لینے سے کافی فائدہ ہوتا ہے۔ آپ بھی شہد کا لطف اٹھائیے اور اللہ تعالیٰ کا شکرادا کرتے رہیئے۔

شرائط ایجنسی

(یکم جنوری 1997 سے نافذ)

1. کم ازکم دس کاپیوں پر ایجنسی دی جائے گی۔
2. رسالے بذریعہ وی۔پی روانہ کیے جائیں گے کمیشن کی رقم کم کرنے کے بعد ہی وی۔پی کی رقم مقرر کی جائے گی۔
3. شرح کمیشن درج ذیل ہے:

10 — 50 کاپی =	25	فی صد
51 — 100 کاپی =	30	فی صد
101 سے زائد =	35	فی صد

4. ڈاک خرچ ماہنامہ برداشت کرے گا۔
5. بچی ہوئی کاپیاں واپس نہیں لی جائیں گی۔ لہٰذا اپنی فروخت کا اندازہ لگانے کے بعد ہی آرڈر روانہ کریں۔
6. وی۔پی واپس ہونے کے بعد اگر دوبارہ ارسال کی جائے گی تو خرچہ ایجنٹ کے ذمہ ہوگا۔

شرح اشتہارات

مکمل صفحہ	1800	چھ اندراجات کا آرڈر دینے پر ایک
نصف صفحہ	1200	اشتہار مفت اور بارہ اندراجات کا
چوتھائی صفحہ	900	آرڈر دینے پر تین اشتہار مفت حاصل کیجیے۔
دوسرا و تیسرا کور	2100	
پشت کور	2700	

کمیشن پر اشتہارات کا کام کرنے والے حضرات رابطہ قائم کریں۔

اُردو سائنس ماہنامہ

خریداری/تحفہ فارم

میں اُردو ''سائنس'' ماہنامہ کا سالانہ خریدار بننا چاہتا ہوں/ اپنے عزیز کو پورے سال بطور تحفہ بھیجنا چاہتا ہوں/ خریداری کی تجدید کرانا چاہتا ہوں (خریداری نمبر ....) رسالے کا زرِ سالانہ بذریعہ منی آرڈر/ چیک/ ڈرافٹ روانہ کر رہا ہوں۔ رسالے کو درج ذیل پتے پر بذریعہ سادہ ڈاک/ رجسٹری ارسال کریں:

نام ....

پتہ ....

....

پن کوڈ ....

نوٹ:

1. رسالہ رجسٹری سے منگوانے کے لیے زرِسالانہ 280 روپے اور سادہ ڈاک سے 130 روپے (انفرادی) نیز 140 روپے (اداراتی و برائے لائبریری) ہے۔
2. آپ کے زرِ سالانہ روانہ کرنے اور ادارے سے رسالہ جاری ہونے میں تقریباً چار ہفتے لگتے ہیں۔ اس مدت کے گزرنے کے بعد ہی یاددہانی کرائیں۔
3. چیک یا ڈرافٹ پر صرف URDU SCIENCE MONTHLY ہی لکھیں۔ دہلی سے باہر کے چیکوں پر 15 روپے بطور بنک کمیشن بھیجیں۔

پتہ:

665/18 A ذاکر نگر، نئی دہلی 110025

پتہ برائے خط وکتابت:

ایڈیٹر سائنس، پوسٹ باکس نمبر 9764

جامعہ نگر۔ نئی دہلی 110025

کاوش کوپن

نام ....

عمر ....

کلاس .... سیکشن ....

اسکول کا نام و پتہ ....

....

.... پن کوڈ ....

گھر کا پتہ ....

....

.... پن کوڈ ....

کسوٹی کوپن

نام .... کسوٹی نمبر ....

عمر .... کلاس .... سیکشن ....

اسکول کا نام و پتہ ....

.... پن کوڈ ....

گھر کا پتہ ....

.... پن کوڈ ....

سوال جواب کوپن

نام .... تاریخ ....

عمر .... تعلیم .... مشغلہ ....

مکمل پتہ ....

....

.... پن کوڈ ....

کوئز کوپن

کوئز نمبر ....

نام ....

عمر ....

تعلیم ....

مکمل پتہ ....

....

....

.... پن کوڈ ....

[redacted]

تاریخ ....

نام ....

عمر .... تعلیم ....

مشغلہ ....

مکمل پتہ ....

....

....

.... پن کوڈ ....

نوٹ: کوپن مکمل بھر کر بھیجیں۔ اگر آپ اپنی شناخت ظاہر نہ کرنا چاہیں تو ہمیں لکھ دیں۔ آپ کا پتہ اور شناخت راز میں رکھی جائے گی۔ صرف آپ کا نام یا نام کے پہلے حروف شائع کیے جائیں گے۔

اڈیٹر، پرنٹر، پبلشر شاہین نے کلاسیکل پرنٹرس ۲۴۳ چاوڑی بازار، دہلی سے چھپوا کر ۶۶۵/۱۲ ذاکر نگر نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا

NOVEMBER 1998

Rs. 10.00

RNI Regn No 57347/ 94 Postal Regn No DL-11337/ 98 Licenced To Post Without Pre-Payment At New Delhi P S O New Delhi-110002 **Posted On 1st and 2nd of Every Month** Licence No U (C) 180/ 98. Annual Subscription: Individual Rs.130 Institutional Rs.140 Regd. Post Rs.280

Urdu **SCIENCE** Monthly